لے سمجھ اسی "سمبھل" میں اوتار کا آج ظہور ہوا
دن رات نہ دیکھا سورج نے ۔ کب ظلمت؟ جہاں یہ نور ہوا
جب کھلی آنکھ "سم درشتی" کی سب غم غصہ کافور ہوا
ایک چیتن روپ نظر آوے جس طرف نگاہ کا جانا ہو
نرلوکی ناتھ کا "سم" سے ہی اس من مندر میں آنا ہو

بدیں وجوہات صاف ظاہر ہے ۔ کہ مقصد انسانی یعنے دائمی راحت حاصل کرنے کیلئے من کا قابو میں لانا نہایت ضروری امر ہے ۔ گویا اس کی تربیت اس قسم کی ہونی چاہئے ۔ کہ جس طرح پانی کو جس برتن میں ڈالو ۔ اسی کی شکل اختیار کر لیتا ہے ویسے ہی اسکو بھی خواہ کسی قسم کے واقعات پیش آئیں ۔ انہی میں راحت بخش نظارے دیکھ سکے ۔ بقو لیکہ ؎

دل دے تو مجھ کو ایسا اے پروردگار دے　　جو رنج کی گھڑی بھی خوشی سے گزار دے

اسی تربیت یافتہ حالت کو مد نظر رکھ کر یہ کہا گیا ہے :-

؎ قومے بہ تمنائے زر و مال خوش اند　　قومے بہ تماشائے خط و خال خوش اند
اینہا ہمہ اسباب خرابی دارند　　خوشحال ہمانانکہ بہر حال خوش اند

پس ہر شخص کا فرض اولین یہ ہے ۔ کہ من کی تربیت کے لئے غیر معمولی توجہ سے کام لے ۔ کیونکہ مدعا حقیقی کے حصول کا راز در اصل اسی ایک عمل میں مخفی ہے ۔ اسی امر پر رشیوں کی طرف سے زیادہ زور دئے جانے کی وجہ سے ہندو قوم فلاسفروں کی قوم" کے نام سے موسوم ہو رہی ہے ۔ کتنے افسوس کی بات ہے ۔ کہ جس قوم میں تین چوتھائی بچوں کے لئے اپنی جاتی (دوج) میں ہی شامل ہونا حصول تعلیم پر مبنی تھا ۔ آج "گورنمنٹ" ان کو لازمی تعلیم دینے سے اسلئے احتراز کرتی ہے ۔ کہ

عا اصطلاحی طور پر لفظ "سمانا" اسی مفہوم کا مظہر ہوتا ہے ۔ بقو لیکہ ؎
ارض و سما کہاں تیری وسعت کو پا سکے؟　　میرا ہی دل ہے کہ جہاں تو سما سکے
(اسم+آ)

عا سمبھل نامی شہر میں نشکلنک اوتار کا ہونا بیان کیا گیا ہے ۔

عوام پر بُرا اثر نہ ہو؟ درانحالیکہ مجموعی طور پر اہل ہند مرد بھی علمی پہلو میں تمام
مُہذب ممالک سے بہت پیچھے ہیں۔ اور عورتوں کا تو ذکر ہی کیا؟ حالانکہ ویدک منتروں
کی درشٹا عورتوں کا ہونا اور مہاراجہ بھوج کے زمانے میں ادنےٰ درجے کے لوگوں
کا بھی تعلیمیافتہ ہونا اظہر من الشمس ہے +

نشوونما کے معنے

اصطلاحی طور پر جسم اور دماغ کا بالیدگی (بڑھنا) کہلاتا ہے
(جس کا انحصار صرف صحت جسمانی کے اصولوں پر ہے) لیکن بالیدگی کے ساتھ
ساتھ علم و ہنر یعنے من کی شکتیوں کے بڑھنے کو نشوونما کہتے ہیں۔ جس کا انحصار
تعلیم و تربیت پر ہے۔ یہ نشوونما یکطرفہ بھی ہو سکتا ہے اور عام بھی۔ مثلاً بعض اشخاص
کے دماغ تو نشوونما پا جائیں۔ مگر رگ پٹھے نہ پائیں۔ تو انہیں مشاہدہ کرنے اور
سوچنے کی طاقت تو حاصل ہو جاتی ہے۔ لیکن اپنے اعضاء سے ٹھیک طور پر
کام لینے کی قابلیت نہیں ہوتی۔ یہ گویا ان کی یکطرفہ نشوونما ہے۔ یا بعض آدمی
بڑے بھاری پہلوان تو بن جاویں۔ مگر ان میں مشاہدہ کرنے اور سوچنے کی طاقت
پیدا نہ ہو سکے۔ علےٰ ہذا القیاس دماغ کی مختلف قوتوں یعنے حافظہ اور غور و
خوض وغیرہ کا معاملہ ہو سکتا ہے۔ یہ یکطرفہ نشوونما جس تعلیم کا نتیجہ ہوتا ہے
اس کو "ناقص تعلیم" کہتے ہیں۔ برخلاف اس کے "اعلےٰ تعلیم" وہ ہے۔ جس کا
نتیجہ عام نشوونما ہو۔ یعنے انسان ہر پہلو میں اپنے قویٰ کی کاملیت حاصل کر سکے +

صحیح تعلیم کی تعریف

چونکہ عمدہ اخلاق کی بنا عقل اور سمجھ پر ہوتی ہے
اسلئے تربیت اخلاق سے پیشتر تربیت عقلی
کا ہونا ضروری ہے۔ لیکن صرف عقل کی تربیت ہونے پر نیک و بد میں تمیز تو کر سکتا ہے
مگر ضمیر کی آواز کے بموجب عمل کرنے کی جرأت نہیں رکھتا۔ گویا "چار پائے
بر و کتابے چند" کی تصدیق کرتا ہے۔ نیز بد اخلاقی سے چونکہ بدعملی اور اس سے
صحت کو نقصان پہنچتا ہے۔ اسلئے جسمانی تربیت کے لئے اخلاقی تربیت
کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور برخلاف اس کے اخلاقی تربیت کے لئے جسمانی

تربیت کا ہونا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ کمزور شخص عموماً بزدل اور بے بس ہوتا ہے۔ اور بیمار شخص عموماً ضدی اور چڑچڑا ہوتا ہے۔ ایسے ہی جب تک جسم صحت کی حالت میں نہیں ہوتا۔ تب تک قوائے عقلیہ سے بھی جم کر کام نہیں کیا جاتا۔ اور بیعقلی کی حالت میں جو غلطیاں سرزد ہوتی ہیں۔ ان سے جسم متاثر ہوتا ہے۔ المختصر جسمانی۔ اخلاقی اور عقلی تربیت کا ہونا مجموعی طور پر انسان کے لئے ضروری ہونے کے علاوہ باہمی ایک دوسرے کے لئے بھی لازمی امر ہے! اسلئے صحیح تعلیم" وہی کہی جا سکتی ہے۔ جو کہ اس تثلیث میں وحدت کی جلوہ نمائی کرے۔ یعنے ہر پہلو میں سمانتا سے کام لے۔ چونکہ جسمانی تربیت کے اصول گذشتہ باب میں بیان کئے جا چکے ہیں۔ اور روحانی تربیت (کثرت میں وحدت کا جلوہ دیکھنا) اگلے باب میں بیان کی جائیگی۔ اسلئے یہاں پر من (عقل و اخلاق وغیرہ) کی تربیت کا ذکر کیا جاتا ہے:-

من کی حقیقت

اگرچہ عام طور پر من کا روپ سنکلپ وکلپ (فکر و تامل) کرنے والا بیان کیا گیا ہے۔ لیکن بغور دیکھا جائے۔ تو نہ صرف یہ من تمام حرکات (خیالی جسمانی) کا ہی منبع اور محرک ثابت ہوتا ہے۔ بلکہ ہر قسم کے احساس (سکھ دکھ) کا محسوس کرنے والا بھی یہی ہے۔ مثلاً چوٹ لگنے سے بچہ رو رہا ہے ذرا گھنٹی بجا کر اس کے من کو ادھر کھینچ لیا۔ تو بس دکھ درد سب موقوف۔ ایسے ہی گھر جلنے۔ بیٹا مرنے یا ایسے دیگر تکالیف میں مبتلا شخص کو بھی جونہی کسی خاطر خواہ کامیابی کی جھلک نظر آئی۔ وہیں بجلی کی چمک کی طرح تاریکئ کلفت کو دور کر گئی۔ اور گہری نیند کی حالت میں (بالفاظ دیگر جسم اور دنیا سے بر طرف ہونے پر) تمام تکالیف کا معدوم ہو جانا تو اظہر من الشمس ہے:-

ع ہوش کی حالت میں اکثر غم سے دل رنجور تھا ۔ لگ گئی جب آنکھ چین سے سبھی کافور تھا

اسلئے نہ صرف یہ منبع خیالات ہی ہے۔ بلکہ توجہ کے ذرا ادھر سے ادھر کر لینے پر محسوسات کائنات کا نقشہ بدل دینا بھی اسی کے بائیں ہاتھ کا کرتب ہے

بھگوت گیتا کے چھٹے ادھیائے شلوک ٦ میں کہا گیا ہے - کہ یہ اپنا آپ ہی
دوست ہے - اور اپنا آپ ہی دشمن" - یعنے اگر اپنے آپ پر قابو رکھتا ہے - تو ہر قسم
کے تعلقات سے بالاتر رہنے کی وجہ سے دوست کا کام دیتا ہے - اور اگر بے قابو
ہے - تو مصیبتوں میں ڈالنے کا باعث ہونے سے دشمن کی طرح سلوک کرتا ہے -
غرض یہ ہے - کہ اپنے بھوگ یا موکش کے لئے آپ ہی جو چاہتا ہے سو کرتا ہے
اسی لئے "من جیتے جگ جیت" ہر ایک مہاتما کا مقبول مسئلہ ہے - اس من کی
رہائش کا مقام ستھول شریر کا سب سے اوپر والا حصہ یعنے دماغ[له] ہے - یا یوں کہا جا سکتا
ہے - کہ جس طرح جسم کے ہر ایک "سیل" میں زندگی کی بدولت ہر ایک عضو ارادی
یا بے ارادی طور پر اپنا اپنا کام کرتا ہے - ویسے ہی دماغی سیلز سے من کے
مختلف اعمال ظہور پذیر ہوتے ہیں - یعنے اس کے مختلف حصے دیگر اعضاء
جسمانی کے طبعی افعال کی طرح حرکت و احساس - ادراک و حافظہ خیال و عقل اور
جذبات و خواہشات کی صورت میں اپنا اپنا فعل ادا کرتے ہیں - بالفاظ دیگر

له مانسک شکتیوں کا عضو دماغ کو تسلیم کرنا مندرجہ ذیل وجوہات پر مبنی ہے :-
(۱) مانسک بے چینی اور تکان کا احساس سر میں ہونا (۲) دماغی ضربات سے بیہوشی ہو جانا (۳) بیرونی تحریک
کا دماغ تک پہنچنے پر احساس ہونا (۴) مانسک شکتیوں کی تیزی کا دماغ کے دوران خون کی زیادتی
سے وابستہ ہونا (۵) مریضوں کے مشاہدہ اور تجربات (عصبی مرکزوں کے برباد کرنے) سے ثابت
ہوا ہے - کہ ضرب دماغی سے من کی معمولی شکتیوں میں نقص آ جاتا ہے (۶) شاہ رگ
یعنے "کراٹڈ" نامی شریان کے باندھنے سے دوران خون میں نقص آنے پر ہوش و حواس کا
معطل ہو جانا (۷) کمپریٹو اناٹومی کی شہادت سے تصدیق ہونا کہ دماغی نشوونما کے ساتھ
مانسک قوا ترقی کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں - جیسا کہ مختلف قسم کے حیوانوں مختلف
قوموں - اور ایک قوم کے مختلف شخصوں یا ایک شخص کے مختلف عمر کے زمانوں میں
مقابلتہً دماغ کا امتحان کرنے سے دیکھا گیا ہے (۸) مانسک شکتیوں کے کام میں آنے کے بعد فاسفیٹ وغیرہ فاسد اجزا
کا بکثرت اخراج پانا (۹) بیماری یا بڑھاپے میں دماغ کی کمی کے باعث خاص قوے کا جاتے رہنا +

دوئم۔ نامناسب اشیا کا تیاگ

پُرائشچت کے سمبندھ میں اس اصول سے
مراد گناہ وغیرہ کے پراشچت سے
ہے۔ یعنے جس طرح کسی غیر منہضم شے کے کھائے جانے سے مسہلات
کا استعمال ضروری ہوتا ہے۔ ویسے ہی لازمی ہے۔ کہ جو تکالیف بامر مجبوری
ہم اپنے متعلقین کو پہونچاتے ہیں۔ ان کے بالمقابل موجب راحت بھی
ثابت ہوں۔ بالفاظ دیگر قدرتی قرضے (دیون) سے سرخروئی حاصل
کرکے اپنے آپ کو پاک صاف رکھیں۔ لیکن پیشتر اس کے کہ ہم ان قرضوں
سے سبکدوش ہونے کا طریقہ سوچیں۔ ہمکو ان متعلقین سے واقف ہونا
ضروری ہے۔ جن کو ہم سے بلا ارادہ نقصان یا تکلیف پہونچتی ہے۔ یا جن
سے ہم طبعی طور پر فائدہ اٹھانے کے لیے مجبور ہیں۔ چنانچہ قدرتی طور پر ہمارا
تعلق رشتہ دو عالموں سے ہے: (۱) عالم بیرونی (ناسوت)۔ (۲) عالم اندرونی
(ملکوت)۔

(ا)۔ ان میں سے عالم باطن کا تعلق ہمارے منبع خیالات سے ہے لیکن
جس طرح باوجود ہر قسم کے مادے کی موجودگی کے زمین میں جس قسم کا تخم بویا
جاتا ہے وہ اپنے مناسب فطرت مادے کو ہی جذب کرتا ہے۔ ویسے ہی عالم
باطن میں "رحمانی اور شیطانی" دونو قسم کے خیالات کا خزانہ موجود ہے لیکن
ہر شخص ان میں سے بلحاظ اپنے مادہ قبولیت کے کشش کرتا ہے۔ بقول مصنف

ہوتا ہے فرق بیج میں ورنہ ہے بارش ایک — باغوں میں پھول کھلتے ہیں بنجر میں جھاڑ یا
یاں چیز کون سی ہے جنیں نہ ملتی تھی؟ — غیروں نے پر بنا میں کلیں ریل گاڑیا

مطلب یہ کہ جو لوگ پابند جہالت ہونے کی وجہ سے اپنے دماغ سے برے
خیالات پیدا کرنے کے عادی ہیں۔ گویا انہوں نے اپنے دماغ کو برے خیالات
پیدا کرنے کا اوزار بنا رکھا ہے۔ ان کے دماغ پر تو زبردست قوت
ارادی والے بدکار شخص ہی غلبہ پاکر برے خیالات پیدا کرانے میں کامیاب

ہونگے۔ (جس کی غیر معمولی حالت میں دیو بھوت یا آسیب وغیرہ کا لگ جانا کہتے ہیں) اور برخلاف ان کے جو شخص اپنے دماغ سے نیک خیالات پیدا کرتے رہتے ہیں۔ گویا جنہوں نے صرف نیک خیالات کے ہی پیدا کرنے کی قابلیت پیدا کر رکھی ہے۔ ان سے بدکار شخص تو کام لینے سے ناکام رہتے ہیں۔ لیکن زبردست قوت ارادی والے نیک اشخاص کے خیالات خود بخود ادھر کھنچے چلے آتے ہیں (جن کے اظہار کمال کی صورت میں کسی دیوتا کا ظہور یا بھگوان کی کلا کا اوتار لینا کہا جاتا ہے) اب جس طرح غیر اشخاص کے خیالات اپنے دماغ پر کام کر جاتے ہیں۔ ویسے ہی اپنے خیالات دیگر اشخاص کے دماغوں پر عمل کرتے ہیں۔ اسلئے اگر کوئی شخص بُرے خیالات پیدا کرنے کا عادی ہوتا ہے۔ تو نہ صرف وہ اپنے لئے ہی مضر کام کرتا ہے بلکہ دوسروں کے لئے بھی بُرے افعال میں مددگار ہوتا ہے۔ جس کے نتیجے میں نہ صرف اپنے ہی افعال کا مختار (پھل بھوگنے والا) بنتا ہے۔ بلکہ دوسروں کے بُرے افعال کا بھی حصہ دار ٹھہرتا ہے۔ کیونکہ وہ تو اپنے کرموں کا پھل بھوگینگے۔ اور یہ چونکہ بُرے خیالات پیدا کر کے ان کو بد افعالی کے لئے تحریک کرنے کا موجب ہوا ہے۔ اسلئے اعانت جرم کی سزا کا ذمہ وار قرار پاتا ہے۔ جس سے بچنے کے لئے ضروری ہے۔ کہ نیک خیالات سے ان بُرے خیالات کا پراشچت کرے۔ نیز جن دیگر کے نیک خیالات سے متحرک ہو کر نیک کرم کرنے کی وجہ سے سُکھ اٹھایا ہے ان کا قرضہ نیک خیالات کی لہریں پھیلانے کی صورت میں (جیسے سورج سے روشنی پھیلتی ہے) ادا کرے۔ علاوہ ازیں کمزور اور محتاج اشخاص کی بیرونی امداد کرنے کی طرح یہ بھی ہر شخص کا فرض اعظم ہے۔ کہ بُرے خیالات پیدا کرنے والے گمراہ اشخاص کو ان کی ذاتی کمزوری کے بد نتائج سے بچانے کے لئے نیک خیالات کی لہریں ان کے دماغ کی طرف بھیجے۔ تا کہ وہ

ان سے طاقت اور روشنی پاکر نیک خیالی کی طرف مائل ہوں۔

(ب):- عالم بیرونی کا تعلق بالخصوص ہمارے جسم سے ہے۔ اور اس میں ذیل کی اشیا طبعی طور پر ہمارے تعلق میں آتی ہیں:-

(۱) سادہ مرکبات یعنے ہوا۔ پانی وغیرہ۔ (۲) نباتات جن سے پھل پھول اناج کپڑے (سوتی) اور لکڑی وغیرہ کا فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ (۳) حیوانات جن سے دودھ گھی وغیرہ اغذیات۔ اون پشم ریشم وغیرہ کے کپڑے اور سواری۔ باربرداری یا کھیتی وغیرہ کے کام لئے جاتے ہیں (۴) انسان جن میں سے پہلے تو والدین ہیں۔ جو کہ پیدا ہوتے ہی ہماری بے بسی کے عالم میں اپنی راحتوں کو ہمارے آرام کی خاطر قربان کرتے ہیں۔ تاوقتیکہ ہم خود اپنی حفاظت کے لائق نہ ہو جاویں۔ دوسرے وہ گیانوان مہاتما ہیں۔ جو کہ بغیر کسی شخصی فائدے کی امید کے تکلیفیں اٹھاتے ہوئے یعنے تمام جسمانی خوشیوں کو خیرباد کہہ کر جابجا گھومتے ہوئے بذریعہ ست اپدیشوں کے ہمیں اودیا کے اندھیرے سے نکال کر سچی روشنی کیطرف رہنمائی کرتے ہیں

چونکہ مذکورہ بالا ہردو عالم کے قرض سے سبکدوش ہونے کے طریقوں کو آرش گرنتھوں میں "پنچ مہایگیہ" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اسلئے انہی اصطلاحات کو قائم رکھتے ہوئے ذیل میں مختصر طور پر ان کے معنے بیان کئے جاتے ہیں:-

(۱) برہم یگیہ اس سے غرض عالم خیال کے قرضے سے نجات حاصل کرنا ہے۔ چونکہ کائنات مجموعی طور پر ویراٹ بھگوان کا روپ کہی گئی ہے۔ اسلئے اس کی بہتری اور بہبودی کے خیالات پیدا کرنا برہم یگیہ یا سندھیا وغیرہ اسماء سے موسوم ہوتا ہے۔ اس عمل کی ترکیب یہ ہے۔ کہ ہر روز صبح اٹھکر قدرتی حاجات کے رفع کرنے اور اشنان وغیرہ کے بعد تنہائی میں آسن جمائے۔ اور اپنی شخصیت کے خیال کو دور کرکے اپنے تئیں تمام کائنات کا جزو خیال کرے۔ اور جس طرح جاہل شخص اپنی مادی

ترقی کی تجاویز سوچنے میں مدہوش رہتا ہے۔ ویسے ہی اہنسا یعنی "کل دنیا کی
بہبودی اور راحت رسانی کی تدابیر کے متعلقہ مضامین پر غور کرے۔ اور
شخصی رنج و راحت کے خیالات سے بالاتر ہو کر اپنی زندگی کو فرائض کی لڑی
سمجھتا ہوا کائنات کی مشین میں ایک چلتا پرزہ بننے کی قابلیت پیدا کرے" تو وہ
ایک گھنٹہ اس مضمون پر غور کرنے کے بعد اسی خیال کے بموجب دن بھر اپنی
شکتی انوسار عمل کرتا ہوا شام کو پھر اسی طرح خلوت نشین ہو کر اپنی روزانہ
کارروائی پر نظر ثانی کرے۔ اور یہ دیکھے۔ کہ میں نے آج پراپکار کے
نمت کس قدر کام کیا ہے۔ بالفاظ دیگر آج کا دن کس قیمت پر نیلام یا فروخت
کیا ہے؟ اگر صرف پیٹ کے دھندوں میں ہی مصروف رہا۔ تو در اصل
اس کے معنے یہ ہیں۔ کہ انسانیت کے جوہر کو حیوانی نرخ پر ہی کھو دیا
کیونکہ اپنا پیٹ تو پشو بھی ادھر ادھر سے چر کر بھر لیتا ہے:- ؎

گر نعمتیں کھاتا رہا دولت کے دسترخوان پر ۔۔۔ میوے مٹھائی دودھ گھی حلوا ترشی اور نمک
یا بندہ مجبوری بھیک کی ٹکڑے کے اوپر دھر نظر ۔۔۔ ہو کر گدا پھرتا رہا کوچہ بکوچہ در بدر

گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور ووں ہوا تو کیا ہوا؟

منش کی فضیلت تو صرف مادی طاقت کو مانسک شکتی کی صورت دینے
میں ہی ہے۔ جو کام کہ کسی دوسری مشین سے حاصل نہیں ہو سکتا۔
اسلئے ہر فرد بشر کے لئے ضروری ہے کہ اپنی تکمیل فطرت کے نقطۂ نگاہ
سے اپنے تئیں پرماتما کا اوزار بنا دے۔ بالفاظ دیگر اپنی قابلیت کو حتی المقدور
بہترین طریقہ پر دوسروں کے لئے کارآمد بنانے اور دوسروں کی بھلائی کے
خیالات میں خرچ کرے۔ بقول مصنف:- ؎

انسان ہے اپنی قوم کے سرشار جو رہے ۔۔۔ وہ شیر ہی ہے غیروں کا خونخوار گو رہے
[illegible] ہوا پلید جو دشمن ہے قوم کا ۔۔۔ انسان کا خواہ کتنا وفادار ہو رہے
[illegible]

سردار کا خطاب بہادر کو قوم دے — خوبی کا سر سدا یہ سردار ہو رہے
گو عمل ایک سے ہیں پر تو میں ہے راز ایک — چیتن بھلا وہ قوم کا غمخوار جو رہے

چونکہ ویدوں میں عالمگیر دھرم کے اصول بیان کئے گئے ہیں۔ اسلئے متبعین وید کے لئے چند ایسے منتروں کا مفہوم سمجھکر پاٹھ کرنا عملی جیون کی تاریکی دور کرنے کے لئے "ستیہ دیا" روپی سورج کا کام دیتا ہے۔

(۲) دیو یگیہ

چونکہ ناپاک اقذار سے ہوا میں ایسی لہریں پیدا ہوتی ہیں جو کہ ذکی الحس اصحاب کے دماغ پر خراب قسم کی تحریک پیدا کرتی ہیں نیز جسمانی غلاظتوں سے ملنے پر ہوا اور پانی وغیرہ سادہ مرکبات بھی خبیث صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ اسلئے ان کی صفائی کی غرض سے اس یگیہ کی ہدایت کی گئی ہے۔ جس کا طریق عمل یہ ہے۔ کہ ویدوں کے پوتر منتر پڑھتے ہوئے ہوا کی لہروں کو شانتی پیدا کرنے والی بنائیں۔ اور خوشبودار۔ دافع امراض اور طاقت بخش وغیرہ مفید صحت اشیا آگ میں ڈال کر دیں (جسکو استہاتا ہون کہا جاتا ہے) مکان کی صفائی کریں چونکہ گرم ہوا پانی کی بھی تطہیر ہوتی ہے۔ اسلئے ایک ہی عمل میں علاوہ ہوا کی صفائی کے مکان کی سیلاب بھی رفع ہو جاتی ہے۔ پلیگ زدہ گھروں میں انگیٹھی جلانا یا دیگر خاص صورتوں میں گندھک وغیرہ کا دھواں کرنا انہی مقاصد پر مبنی ہوتا ہے۔ اسی سلسلے میں "پنجاب ایجوکیشنل جرنل" بابت ماہ ستمبر ۱۹۰۹ء صفحہ ۱۸۹) کی چند سطور کا ترجمہ بھی قابل اندراج معلوم ہوتا ہے :۔ "یورپ کے اکثر ممالک کے لوگوں میں یہ دستور ہے۔ کہ وہ بیماروں کے کمروں میں پانی بھنے کھانڈ جلایا کرتے ہیں۔ جس کو طبیب لوگ ایک بے ضرر وہم پرستی خیال کرتے تھے۔ یعنے نہ مفید نہ مضر لیکن اب پروفیسر ٹربرٹ صاحب (پاسٹر انسٹیٹیوٹ پیرس) نے ثابت کیا ہے۔ کہ کھانڈ جلانے سے "فارمک ایلی ٹیلین ہائیڈروجن" نامی ایک ایسی گیس پیدا

ہوتی ہے۔ جو کہ نہایت طاقتور مہلک جراثیم اثر رکھتی ہے۔ چنانچہ ۵ ماشہ چینی ایک شیشے کے برتن (جس میں ۲½ سیر پختہ پانی سما سکتا تھا) کے اندر جلائی گئی۔ جب بخارات سرد ہو گئے۔ تو تپ دق۔ ہیضہ و چیچک اور تپ محرقہ کی قسم کے جراثیم شیشے کی کھلی نالیوں (ٹیوبوں) میں اس برتن کے بیچ رکھے گئے۔ جو کہ نصف گھنٹے کے اندر تمام ہلاک ہو گئے۔ نیز یہ بھی دکھلایا گیا ہے۔ کہ اگر چینی ایک ایسے بند برتن میں جلائی جائے۔ جس میں سڑا ہوا مانس یا گلے سڑے انڈے کے مشمولات رکھے ہوں۔ تو ان کی بدبو فوراً جاتی رہتی ہے۔ بدیں وجوہات کھانڈ کے جلانے سے متعدی مادوں کی صفائی ہونے کے متعلق جو عام طور پر وشواس پایا جاتا ہے۔ وہ پختہ بنیاد رکھتا ہے۔“

(۳) بھوت یگیہ — یہ یگیہ نباتات اور حیوانات کے تعلق میں کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ اس میں وہ تمام عمل شامل ہیں۔ جن میں کہ ایسے درختوں کو ترقی دینا جو کہ غذا اور دوا کے کام آتے ہیں اور ایسے حیوانات کی پرورش کرنا جو کہ گائے بیل وغیرہ کی طرح منش کی زیادہ تر خدمات سرانجام دیتے ہیں۔ پایا جاتا ہے۔ اہل امریکہ کا فن کاشتکاری اور باغبانی وغیرہ میں بجلی کی طاقتوں سے کام حاصل کرنا [illegible] یگیہ کے یجمان ہونے کی حیثیت سے ان کی خوشحالی کا باعث ہو رہا ہے۔ اور برخلاف اس کے اہل ہند میں ان مضامین کی [illegible] سے ہی لاپرواہی کرنا موجودہ قحط وغیرہ مصائب کی صورت میں باعث بن رہا ہے کیونکہ اگرچہ زراعت پیشہ لوگ جو کہ ان کاموں کے بغیر اپنی ہستی ہی قائم نہیں رکھ سکتے تھے۔ ان امور میں دلچسپی لینا اپنا دھرم سمجھتے ہیں۔ لیکن چونکہ سائنٹیفک طریقوں سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ یعنے ویدانکول یگیہ نہیں کرتے۔ اس لئے کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اور باقی لوگ تو اگر ایک طرف اشنان کرنے کے بعد پیپل یا تلسی وغیرہ کو پانی ڈالنا ہی کافی سمجھتے ہیں۔ تو دوسری طرف

کھانے سے پہلے صرف تین لقمے (جن کو گوگراس کہتے ہیں) رکھ لینا ہی کافی
خیال کرتے ہیں۔ جن میں سے ایک لقمہ[1] کوے وغیرہ پرندوں کو۔ دوسرا کتے
وغیرہ درندوں کو اور تیسرا گائے وغیرہ چرندوں کو دیا جاتا ہے۔ گو اس کے
علاوہ کہیں کہیں آٹے کی گولیاں مچھلی وغیرہ آبی جانوروں کو اور چاول
چیونٹیوں وغیرہ حشرات الارض کے بھونوں پر بھی ڈالے جاتے ہیں۔ لیکن
اگر غور سے دیکھا جائے۔ تو صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ یہ عمل کسی ایسی حالت
کے کھنڈرات ہیں۔ جو کہ صحیح طور پر عمل میں آتے وقت ہندوستان کے جنت
نشان ہونے کا باعث ہوگی۔ رامائن یا مہابھارت وغیرہ کسی بھی پرانی تاریخ کو
پڑھیں۔ تو پتہ لگتا ہے۔ کہ نہ صرف بھارت ورش میں کندمول اور ہر قسم کے میوہ
دار درختوں کے جنگل ہی بکثرت ہوتے تھے۔ بلکہ گایوں کی اتنی بہتات تھی۔
کہ دودھ کی نہریں بہتی تھیں۔ مگر آجکل دودھ تو درکنار۔ بارش بھی جنگلات
کے کٹ جانے کے باعث ہر سال کم ہو رہی ہے۔ اسی دودھ[2] کی کمی کو انجھو کرکے

---

[1] حکمت۔ اس طریق عمل میں یہ غرض مخفی ہو۔ کہ چونکہ انسان کی کھانے کی "[illegible]" بمقابلہ
حیوانات کے ناقص ہوتی ہے اسلئے کھانے سے پہلے درندوں چرندوں اور پرندوں یعنی ہر قسم
کے حیوان کو تھوڑا سا کھانا ڈال کر دیکھ لینا اچھا ہے۔ تاکہ اگر وہ کھالیں۔ تو اس کے یہ معنے ہیں
کہ یہ انسان کے لئے زہریلی خوراک نہیں۔ گویا جس طرح شکار کرنے میں کتوں کی قوت شامہ سے
فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ ویسے ہی راجاؤں کے "چاکھے" کی طرح ہر شخص غذا کی درستی سے متعلقہ
ان کی "عقل حیوانی" سے فائدہ اٹھا سکے۔

[2] جن اصحاب گائے بیل وغیرہ حیوانات کے پالنے اور ان سے دودھ یا دیگر اقسام کے
فوائد اٹھانے کو ویسا ہی پاپ خیال کرتے ہیں۔ جیسے کسیکو بلا قصور قید کرنا اور کسی کے بچے
کا حق چھیننا پاپ ہے۔ اسلئے انہیں معلوم ہے کہ محض خودغرضی سے متحرک ہو کر کسیکو قید کرنا بھی
گناہ ہے لیکن جس صورت میں دوسرے کو بھی فائدہ پہونچانا مقصود ہو۔ اس حالت میں معاملہ دگرگوں

(دیکھو صفحہ ۸۸)

گورو گوبند سنگھ جی نے یہ پرن کیا تھا:۔

ویدمریاد اجگ میں چلاؤں　　　گئو گھات کا پاپ مٹاؤں

(۴) پتری یگیہ یہ عمل والدین کی اُن تکالیف کے جواب میں کرنا لازمی قرار دیا گیا ہے۔ جو کہ وہ بچوں کو پالنے اور پڑھانے وغیرہ کی حالت میں برداشت کرتے ہیں۔ چنانچہ ہر ایک گرہستی کا دھرم ہے۔ کہ وہ کھانا کھانے سے پہلے اپنے بوڑھے ماتا پتا کو پریم اور شردھا سے ترپت کرے (جس کو اصطلاحاً شرادھ ترپن کہا گیا ہے) علاوہ ازیں دیگر مختلف قسم کی خدمات سے والدین کی خوشنودی حاصل کرنا بھی پتری یگیہ کی حدود میں شامل ہے:۔

نہ ہے قسمت جہاں میں اس پسر کی　　　رضاجوئی کرے مادر پدر کی

تقیہ حاشیہ صفحہ ... ظاہر ہوتا ہے جب کسی حیوان یا بچے کو متبنّٰی بنا کر مدرسہ کی قید میں رکھنا چنانچہ یہی معاملہ حیوانات کا ہے۔ جن کو انسانی صحبت سے عقلی اور اخلاقی فوائد کی تربیت کا موقع ملتا ہے۔ علاوہ ازیں کائنات میں ہر شے کا ایک دوسرے سے خاص تعلق ہے۔ مثلاً آکسیجن جو درختوں سے خارج ہوتی ہے حیوانات کو زندگی بخشتا ہے۔ اور ان سے نکلی ہوئی کاربانک ایسڈ وغیرہ نباتات کی نشوونما کا باعث ہوتی ہے ویسے ہی حیوانات کی سردی گرمی۔ بھوک پیاس وغیرہ کی تکالیف کو انسان دور کرتا ہے اور دودھ وغیرہ کی صورت میں وہ اس کا کام دیتے ہیں۔ پس حساب برابر رہا۔ دیگر امر یہ کہ وہ دودھ قدرتی طور پر اس کے بچے کا حق ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ قدرتی حالت میں چھوڑنے پر دودھ بہت کم ہوتا ہے۔ اس لئے مقوی غذیات سے جو زیادہ دودھ پیدا ہوتا ہے۔ وہ اپنی محنت اور خدمت کے معاوضے میں انسان کا حق ہے۔ ہاں البتہ جو لوگ بچھڑوں کو ان کے مناسب حق سے محروم رکھتے ہیں۔ وہ لالچی ضرور کہا جا سکتے ہیں ؛

پراچین کال میں جو بزرگی اس یگیہ کو دی جاتی تھی - اس کے تعلق میں اندھے ماتا پتا کے شردھالو بھگت سرون جی - اور بھگوان رامچندر و بھیشم پتامہ کی روایات شاہد حال ہیں - بلکہ موجودہ زمانے کے "مرتک شرادھ" کی رسم بھی اِس امر پر دلالت کرتی ہے - کہ اہل ہنود نے بزرگوں سے اس خیال کو ورثے میں پایا ہے کہ باوجود ساری عمر خدمت کرنے کے بھی والدین کے بار احسان سے سبکدوشی حاصل نہیں ہوتی ٭

(۵) اتتھی یگیہ "اتتھی" سے مراد ایسے شخص سے ہے جس کے آنے کی تاریخ مقررہ نہ ہو - اگرچہ موجودہ زمانے میں ریل ڈاک یعنے اخباروں وغیرہ کی بدولت دور دراز کی خبریں بآسانی ہر شخص تک پہونچ جاتی ہیں - جس سے عوام کے دماغ روشنی پاتے ہیں - لیکن بعض امور چونکہ ہو ہی ایسے ہیں - جو کہ عالم اشخاص کی موجودگی سے ہی حل ہو سکتے ہیں - اِسلئے ہر ایک گرہستی کا دھرم ہے - کہ ایسی اغراض کو پورا کرنے کیلئے جو ودوان مہاتما بطور "اتتھی" کے گاؤں میں آ پہونچیں - کھانا کھانے سے پہلے ان اور بستر وغیرہ سے ان کی جسمانی ضروریات پوری کرے - چنانچہ ہندوؤں میں "سندے" کی روٹی دینا اِسی عمل کا بقیہ آج تک بھی اکثر دیکھا جاتا ہے - اسی یگیہ کی بدولت گذشتہ زمانے میں اہل ہند کی مہمان نوازی مشہور عالم ہو رہی تھی - کیونکہ ان کے خیال میں ہر شخص اپنے کرموں کا پھل بھوگتا تھا - بقول شخصے :-

؎ شکر بجا آر کہ مہمان تو روزئے خود میخورد از خوان تو

گرہست آشرم کے دھرم کو سمجھنے والی ایک غریب بڑھیا کا شنکر آچاریہ جی کو (جبکہ وہ بصورت برہمچاری اس کے گھر بھکشا کیلئے گئے تھے) اپنی تنگدستی کی وجہ سے ایک آملہ نذر کرنا (جسکو دیکھ کر برہمچاری کے جیون پر ایک گہرا اثر پڑا) اسی یگیہ کی عظمت کا مظہر تھا ٭

سوئم

ہمجنس ہستی کا پیدا کرنا:-

جیساکہ جسمانی نقطۂ نگاہ سے اولاد کا پیدا کرنا ہر شخص کے لئے ضروری بیان کیا گیا ہے۔ تاکہ "پتری رن" سے سبکدوش ہو سکے۔ ویسے ہی مانسک نقطۂ نگاہ سے ہر شخص کا فرض اعظم ہے۔ کہ وہ اپنے تجربات کے ذریعہ پائے ہوئے گیان سے اپنی اولاد اور دیگر مستحق اصحاب کو مستفیض کرے۔ کیونکہ نہ صرف "رشی رن" سے سرخرو ہونے کا یہ ایک لاثانی درجہ ہے۔ بلکہ برکات الٰہی بھی اُسی قوم پر نازل ہوتی ہیں۔ جو کہ اس نیم پر دل سے عملدرآمد کرتی ہے۔ المختصر اس اصول سے مراد یہ ہے

کہ اولاد میں دماغی قابلیت پیدا کی جاوے۔ چونکہ انسان کی جسمانی حالت کی طرح اس کی "عقل حیوانی" بھی بوقت پیدائش بمقابلہ دیگر حیوانات کے بلحاظ تکمیل کے بہت ناقص اور بلحاظ تربیت پذیر ہونے کے نہایت اعلیٰ ہوتی ہے۔ اس لئے جس طرح لکڑی کو کاٹ چھانٹ اور رندہ وغیرہ کر کے کارآمد بنانے کے لئے بڑھئی کی ضرورت ہوتی ہے۔ ویسے ہی بچے کو میدانِ زندگی کے قابل سپاہی یعنے شاریرک اور مانسک شکتیوں میں مکمل بنانے کے لئے خاص سمبندھیوں کی کوشش درکار ہوتی ہے۔ چنانچہ انہی سمبندھوں کی موزونیت پیدا کرنے کو شاستر کاروں نے "سنسکاروں" کے نام سے ظاہر فرمایا ہے۔ چونکہ نہ صرف سنسکاروں کا ہی بالتفصیل بیان کرنے سے طوالت کا احتمال ہے۔ بلکہ تعلیم کا دماغ سے اور دماغ کا جسم سے گہرا تعلق ہونے کے باعث جسمانی نشوونما کی خاص حالتوں میں جو

بچے کو بہت سے "سمبندھیوں" کے زیر اثر آنا پڑتا ہے۔ اگر ان تمام کے متعلقہ بھی ذکر کیا جائے۔ تو "طریقہ تعلیم" کی ایک ضخیم کتاب تیار ہو جاوے۔ اِس لئے والدین اور آچاریہ کی کوششیں (جو کہ بچے پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوتی ہیں۔) مدنظر رکھ کر انہیں کے متعلقہ چند اشارے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:۔

(۱) **والدین:۔** جس طرح پورش اور پرکرتی اگرچہ "سانکھیہ کرتا" کی نگاہ میں دو ہیں۔ لیکن ویدوں کے رہسیہ کو جاننے اور اوپنشدوں کی رمز پہچاننے والا ویاس بھگوان ان ہر دو کو ایک ہی ذات "برھم" کے دو مظہرات کی صورت میں بیان کرتا ہے۔ ویسے ہی ماتا پتا کے الفاظ گو بظاہر دو شخصیتوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ لیکن غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہر دو ایک ہی کمل انسانیت کے مظہرات ہیں۔ کیونکہ اگرچہ عام طور پر جسمانی بالیدگی کے ساتھ قواء دماغی کی تربیت کرنا ہی انسانی تکمیل کے لئے ضروری بیان کیا جاتا ہے مگر چونکہ نظامِ قدرت میں اکیلا مرد انسانی تصویر کے صرف ایک پہلو کا ہی مظہر ہے۔ جس میں سختی بہادری اور شجاعت وغیرہ اوصاف کے رنگ بھرے ہوئے ہیں۔ اور دوسرا پہلو جو کہ لطافت۔ نزاکت۔ ہمدردی۔ رحم اور محبت مجسم ہے۔ صرف مستورات سے مخصوص ہے۔ اِسلئے سادھارن اوستھا میں مرد مجرد دراصل کسی طرح پر بھی کمل انسان... کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ایک انسانیت کے اظہار مکمل کے لئے جسمانی اور دماغی قواء کی نشو ونما میں تکمیل پائے ہوئے مرد اور عورت کے جوڑے کی ضرورت ہے۔ جن کو والدین کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ نہ صرف آرش گرنتھوں میں ہی استری کو "اردھنگی" (آدھا جسم) کہا گیا ہے۔ بلکہ بائیبل یا قرآن

میں بھی مائی حوا کا بابا آدم کی پسلی سے بنایا جانا بیان کیا ہے۔ گویا نر اور مادہ دو نو مثبت اور منفی بجلی کی طرح ایک ہی ہستی سے ظہور پذیر ہوئے ہیں۔ چنانچہ عالم نباتات و حیوانات کے مطالعہ کرنے سے اب بھی اکثر صورتوں میں ان کی یکتائی مشاہدے میں آتی ہے ؛

بانیہمہ بظاہر دو ہونے سے چونکہ ان کے اثرات بلحاظ مقدار و اوصاف کے مختلف صورتوں میں پڑتے ہیں۔ اس لئے دونوں کا علیحدہ علیحدہ ذکر کیا جاتا ہے :-

ماتا کے سمبندھ میں والدین کے جوڑے میں سے اگرچہ دیگر تمام معاملات دنیاوی میں مرد کا عورت سے سبقت لے جانا ممکن ہے لیکن اولاد میں دماغی قابلیت پیدا کرنے کا اصول ایک ایسی خصوصیت رکھتا ہے۔ جس کی وجہ سے ہر ایک صاحب عقل عورت کی عملی بزرگی تسلیم کرنے کے لئے مجبور ہے۔ چنانچہ اہل انگلستان تو مستورات کی خوبیوں سے اس پہلو میں مستفید ہونے کے باعث ان کو "بہتر نصف" (Better Half) کہتے ہی ہیں۔ لیکن اہل ہنود بھی جو کہ عام طور پر موجودہ زمانے میں ان کے ساتھ غلاموں سے بھی بدتر سلوک روا رکھتے اور اس کے نتیجے میں قعر ذلالت کی تہ تک پہنچ رہے ہیں۔ اپنے زمانہ قدیم میں جنس تانیث کی اس عظمت اور تقدیس میں نہ صرف ان کو "دیوی" کا نام دینے سے ہی شہادت دیتے ہیں۔ بلکہ ہر ایک شکتی کا اس کے دیوتا کے نام سے پہلے لانا بھی اسی امر کا مظہر ہے۔ مثلاً لکشمی نراین۔ گوری شنکر۔ سیتا رام۔ رادھے کرشن وغیرہ

علاوہ ازیں ہر ایک مقدس اور قابل تعظیم شے۔ مثلاً گائے ورسکا ٹوتری حتےکہ بھارت بھومی کو بھی ماتا کے خطاب

سے ہی ظاہر کیا جاتا ہے اور "شرتی" کا "ماتا" ہونا تو اظہر من الشمس ہے۔ بہرحال کسی پہلو سے دیکھا جائے۔ "ماتا" کی بزرگی کے نمایاں ثبوت ملتے ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ موروثی امراض کی طرح چونکہ خیالات کی بھی پیدائش سے پیشتر ہی بنیاد بندھ جاتی ہے۔ بقول کبیر۔

لے راگی باگی ناڑی چنگ   یہ سب اوپجیں جنم کے سنگ

اس لئے جہاں پتا صرف گربھادان سنسکار کے وقت تک خیالات کا ذمہ دار ہے۔ وہاں ماتا کے خیالات اور اعمال کا اثر نو مہینے عرصہ حمل اور سال ڈیڑھ سال ایام شیر خواری تک بھی بغیر کسی روکاوٹ کے لگاتار پڑتا رہتا ہے۔ پس جو نقش خون اور دودھ کے ذریعے بچے کی طبیعت میں جاگزیں ہو جاتے ہیں۔ ان کا تا حیات تا ممکن سا امر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ "مدالسا" سی ماتائیں جو کہ میٹھی لوریوں میں برہم گیان کا اوپدیش کر کے حقیقت عالم کو ذہن نشین کرا سکتی ہیں۔ گورو یدوی میں برہماجی سے بھی فضیلت رکھتی ہیں۔ جو کہ باوجود برسوں تک برہمچریہ اور تپ کرانے کے بعد اوپدیش کرنے کے "بروچن" کو آتم گیان کی رمز سمجھانے سے قاصر رہا۔ جس واقعہ کی بنا پر گوسائیں تلسی داس جی فرماتے ہیں:- "سورٹھا"

پھولے پھلے نہ بید۔ جو امرت برسیں جلد   مورکھ ہردے نہ چیت۔ جو گور ملیں برنچ سم

مہرشی کپل دیو (جنھوں نے آرین فلسفے کی بنیاد "سانکھ درشن" کی صورت

عہ راگ گانے۔ شہسواری کرنے۔ نبض جانچنے اور باجا بجانے کی قابلیت پیدائش سے حاصل ہوتی ہے" اگرچہ اس ضرب المثل میں صرف چار قسم کی ہی قابلیت ظاہر کی گئی ہے۔ لیکن اہل غور جانتے ہیں کہ نہ صرف یہ چاروں بلکہ شاعری و فلاسفی وغیرہ ہر قسم کی اعلیٰ قابلیت کا بیج پیدائش سے ہی حصہ میں آتا ہے جو کہ بعد میں مناسب سامان پانے پر نمایاں صورت قبول کرتا ہے

میں رکھی) کا اظہار کمال اگر ماتا دیو سوتی جی کی مقدس تعلیم کی طرف
اشارہ کرتا ہے تو سوامی شنکر آچاریہ جی (جن کا نام آسمان فلسفہ کے
آفتاب نصف النہار کی طرح دنیا پر روشن ہے) اپنے علم و عمل
سے ماتا وششٹھا جی کی مانسک پوترتا اور بزرگی کے مظہر ہیں۔ کیونکہ
ہر دو عارفان باکمال کی تعلیم ماتاؤں کے ہی زیر اثر وقوع میں آئی
تھی۔ علاوہ ازیں غور کیا جائے۔ تو مہارانی کیکئی کی شجاعت اور
پولیٹیکل واقفیت کا کمال اور لیلاوتی کا جبر و مقابلے میں علم
بے مثال۔ گارگی کا برہم گیان اور سرسوتی (منڈن مشر کی دھرم
پتنی) کا علم و عرفان۔ سیتا اور دروپدی کی جفاکش زندگی۔ ستی اور
سلوچنا کا پتی برت دھرم (جن کی نسبت حافظ کا کلام ہے :۔ ؎

حافظا در عشقبازی کم ز زن ہندو مباش — کو برائے مردہ سوزد زندہ جان خویش را

داموودری جی کی قوت اختراع (شطرنج کی ایجاد وغیرہ) اور پدمنی
کی حکمت عملی وغیرہ اعلےٰ اوصاف ہی آریہ ورت کی عظمت کا موجب
تھے۔ جب سے عورتوں کی تعلیم کے دروازوں پر پردہ پڑ گیا۔
اہل ہند کی حالت روبزوال ہونی شروع ہو گئی۔ کیونکہ قومی اوصاف
کا منبع ماتائیں ہی ہوتی ہیں۔ جب وہی ناقص العقل کے ناپسندیدہ
لقب سے یاد کی جانے لگیں۔ تو بچوں کا تو خود ہی خدا حافظ ہے
اہل ہند کا غلامی پسند طبیعت رکھنا یعنے کمزوروں پر زبردستی اور
زبردستوں کے سامنے بزدلی دکھانا اسی امر پر دلالت کرتا ہے۔
کہ یہ ظالم باپ اور مظلوم ماں کی اولاد ہیں۔ اسلئے بچوں کی قدرتی
قابلیت کو اعلےٰ درجے کا بنانے اور اس پر بہترین تعلیم کا پیوند
لگانے کے لئے سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ دماغی نشوونما

(۱) بعض اصحاب عورتوں کو آزادانہ تعلیم دینے کی اسلئے مخالفت کرتے ہیں کہ اس سے

میں ماتائیں کمال یافتہ ہوں۔ ورنہ جسطرح گاڑی کے دو پہئے برابر نہ ہونے کی صورت میں خواہ اس کے چلانے میں کتنی ہی طاقت خرچ کی جائے۔ وہ اپنی جگہ پر ہی گھومتی ہے۔ اور کچھ بھی آگے نہیں بڑھتی۔ ویسے ہی جبتک عورت کی مرد کے برابر دماغی تربیت نہیں کی جاتی۔ ناممکن ہے کہ قومی گاڑی ایک قدم بھی آگے جا سکے۔

ب۔ "پتا کے سمبندھ میں":- علمی اور عملی زندگی کی رہنمائی یعنے گورو کہے جانے میں ماتا سے دوسرا درجہ پتا کا ہے جس فرض کو پورا کرنے کے لئے اس کا عقل اور اخلاق مجسم ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ اوّل تو نطفے میں نہ صرف جسمانی ہی بلکہ دماغی قابلیت کے جوہر بھی بیج کی طرح مخفی ہوتے ہیں۔ جو کہ بعد پیدائش مناسب تربیت سے ظہور پکڑتے ہیں۔ دیگر ایام شیر خواری کے بعد جس کے خیالات بچے پر بالخصوص اثر انداز ہوتے ہیں۔ وہ عام طور پر پتا ہی ہوتا ہے چنانچہ آریہ ورت میں جو تقسیم محنت" (ورن ویوستھا) کے خیال سے بچوں کو پتا کے "ورن پانے کا زیادہ موقع ہونا اسی قدرتی قانون پر قائم تھا۔ واقعات عالم پر وسیع نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ باپ کے اوصاف بیٹے میں نہ صرف اسی نمونے پر ہی ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ بلکہ اکثر اوقات نسلاً بعد نسلاً اوصاف بزرگا

بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۔ ان کے اخلاق بگڑ جانے کا احتمال ہوتا ہے لیکن یہ نہیں سوچتے کہ اخلاق بگاڑنے میں پیشدستی کرنیوالے تو ہمیشہ مرد ہی ہوتے ہیں۔ اسلئے جسطرح کتون کو اس خوف سے باندھ کر رکھا جاتا ہے کہ کسی شخص کو کاٹ نہ سکیں ویسے ہی اگر مردوں کو پردے میں رکھا جائے (کہ مبادا کسی صاحب عصمت کو خراب کریں) تب تو بجا بھی ہو ورنہ برخلاف اس کے عورتوں کو برقع یا چار دیواری کی قید میں رکھنا سوائے جابلانہ زبردستی یا ظلم کے اور کیا ہے؟ جس کو کوئی مہذب اور معقول پسند طبیعت گوارا نہیں کر سکتی:

زیادہ لطیف اور اعلےٰ شکل قبول کرتے جاتے ہیں۔ مثلاً وشسٹ جی کے تتو درشی ہونے کا اثر اُن کے پیتر پراشر جی اور پوتے ویاس جی میں بتدریج کمال پکڑتا گیا۔ اور ویاس جی کے پیتر شکدیو جی کی صورت میں تو اس عروج پر پونچا کہ اُن کو پیدائشی ویراگی اور برہم گیانی بیان کیا گیا ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے:۔ اگر پدر نتواند پسر تمام کند
یہی مضمون "مسئلہ ورکاش" کے نام سے موسوم ہو رہا ہے۔ اگر خاص وجوہات سے پتا کی خوبیاں پتر میں نہ بھی ظاہر ہوں تاہم وہ قانون میراث بزرگانہ " (لاء آف اٹاوزم) کے زیر اثر اکثر جدی اوصاف پوتے وغیرہ میں جلوہ نما ہو جاتے ہیں۔ مثلاً رانا سانگا جسمیں راجپوتی جوہر قدرت نے کوٹ کر بھرے ہوئے تھے، کا بیٹا رذیل بھیلوں کے ساتھ پرورش پانے کے باعث گو اُن اوصاف کے ظاہر کرنے سے قاصر رہا۔ لیکن... وہی اوصاف شجاعت اس کے پوتے میں جس کمال سے ظاہر ہوئے وہ "رانا پرتاب" کی تاریخی مثال سے روز روشن کیطرح عیاں ہیں۔
پس اولاد کے دماغی قواء قدرتی طور پر اعلےٰ ہونے کے لئے لازمی ہے۔ کہ پتا بھی پیشتر اس کے کہ اولاد پیدا کرنے کی طرف عملی طور پر رجوع پذیر ہو۔ علمی کمال سے مزین ہو۔ علاوہ ازیں چونکہ بچے میں نقل کرنے کا مادہ حد سے زیادہ ہوتا ہے۔ اسلئے جب تک کہ وہ آچاریہ کے پاس نہیں بھیجا جاتا۔ والدین کو اپنے تئیں اس کے سامنے ہمیشہ ایک اعلےٰ درجے کی عملی مثال بنکر پیش کرنا چاہیئے۔ یعنے... حتی الامکان اس کے سامنے کوئی ایسا مذموم فعل نہ کریں۔ جس کے کرنے سے اس کو منع کرنے کی ضرورت پڑے۔ نیز ایسی صحبت سے بچائیں۔ جہاں سے کہ ناشائستہ تاثرات کا احتمال ہو اور جب اس کو بخوبی ہوش آ جائے۔ تو سیر کرنے کو ساتھ لیجانے سے

علاوہ مختلف قسم کی تصویریں اور کھلونے دکھا کر اس کی قوت مشاہدہ کی تربیت کے ساتھ ساتھ قومی بزرگوں کے کارنامے کہانیوں کی صورت میں سنانا اور ان کے مقولہ جات بصورت نظم شلوک یاد دہے وغیرہ حفظ کرانا ابتدائی تربیت کا بہترین طریقہ ہے نیز چھوٹی چھوٹی۔ آسان بجھارتیں (سقراطی سوالات) اس کے ذہن تیز کرنے کے لیئے پوچھیں تاکہ اس کی قوت مشاہدہ اور استدلال وغیرہ ترقی کیطرف مائل ہوں۔ اخلاقی اصول ذہن نشین کرانے کے ساتھ ہی دماغی تربیت کے لیئے اس کا خوش رکھنا بھی نہایت ضروریات سے ہے۔ جب بچہ چھ سات سال کی عمر تک پہونچ جائے۔ تو کسی ایسی پاٹھ شالا میں جہانتک عقلی تربیت کے ساتھ ہی دھارمک اور قومی تعلیم بھی ہو آچاریہ کے پاس بھیجنا چاہیئے

(۲) **آچاریہ:۔** پیشتر ظاہر کیا جا چکا ہے کہ دماغی قواء کی تکمیل کا انحصار قدرت اور تعلیم دو باتوں پر ہے۔ ان میں سے قدرتی قابلیت کے ورثہ وار تو بالخصوص والدین ہیں۔ لیکن تعلیم کی خوبی کا انحصار آچاریہ کی قابلیت پر ہے گویا اگر والدین کو دھات کے پگلانیوالوں اور بچے کو دھات سے تشبیہ دیجائے تو آچاریہ اس سانچے سے مشابہت رکھتا ہے جسمیں پگھلی ہوئی دھات خاص زیور کی شکل قبول کرتی ہے کیونکہ جسطرح سانچے کے نقش و نگار زیور میں نظر آتے ہیں ویسے ہی استاد کے اوصاف شاگرد میں دکھائی دیتے ہیں چنانچہ وششٹ جی کی شانتی کا رامچندر میں نظر آنا اور درونا چاریہ کی کمالیت تیراندازی کا ارجن میں جلوہ دکھانا اس اصول کی مشہور مثالیں ہیں۔ اسلیئے والدین کا اولاد کے متعلقہ پرورش کے بعد سب سے بڑا فرض یہ ہی ہے کہ وہ اس کی تربیت کے لیئے حتی المقدور بہترین اُستاد تجویز کریں۔ آچاریہ دو قسم کے ہوتے ہیں۔

"الف" عام "ب" خاص ؛

"الف" **عام آچاریہ:۔** عام آچاریہ سے مراد ان اُستادوں سے ہے۔ جو کہ بچے کو مجموعی طور پر ہر قسم کی تعلیم سے بہرہ ور کر کے "انسان" کامل

کی صورت دیتے اور اس کو کئی وجوہات سے قومی مشین کا ایک کار آمد پرزہ بناتے ہیں۔ جسمانی صحت کے تیسرے اصول میں افلاطون کی رائے کا اشارہ دیا جا چکا ہے جسکا مدعا یہ ہے کہ "ہر ایک بچہ بجائے اپنے خاص والدین کے تمام قوم کا بچہ کہلائے"۔ اگرچہ اس کی یہ تجویز صرف جسمانی پہلو سے دیکھے جانے پر ایک عجیب سی معلوم ہوتی ہے لیکن بغور دیکھا جاوے۔ تو دراصل یہ خیال بھی آریہ رشیوں کی تعلیم سے ہی مستعار لیا ہوا معلوم ہوتا ہے (جن کی تعلیم جسمانی خیال سے گذر کر دماغی قابلیت کی نشوونما پر بھی ویسا ہی زور دیتی ہے) کیونکہ ان کے حکم کے بموجب آٹھ سات سال کی عمر میں بچے کو آچاریہ کے سپرد کرنا ضروری تھا۔ جہاں کہ پچیس سال کی عمر تک باقاعدہ تعلیم پانے سے وہ اپنی فطرت کے خواص نمایاں کر دیتا تھا۔ جن کو دیکھ کر آچاریہ اس کو بلحاظ قابلیت "ورن یوستھا" دیتا تھا۔ بالفاظ دیگر جس قسم کی قومی خدمات سرانجام دینے کے لائق خیال کیا جاتا تھا۔ اس کو اسی کام پر مامور کیا جاتا تھا۔ اگرچہ والدین کے قدرتی اثر کی وجہ سے اکثر وہ انہی کے ورن میں جگہ پاتا تھا۔ لیکن موجودہ زمانہ کی طرح یہ امر لازمی نہیں تھا کہ وہ اپنے پتا کے ہی ورن میں شامل ہو۔ بلکہ خاص وجوہات سے اس سے اختلاف طبع رکھنے پر دوسرا ادنےٰ و اعلےٰ درجہ پانے میں بھی کوئی امر سدّ راہ نہیں ہوتا تھا۔ مقصد بہر حال یہ تھا۔ کہ قومی مشین کے مناسب پرزے کی جگہ پر کام دے۔ "ہندو قوم کے موجودہ تنزل کے اسباب میں ایک نمایاں امر یہ ہے کہ "ورن یوستھا" بجائے اوصاف و قابلیت کے والدین کی ذات سے منسوب کی جانے لگی۔ کیونکہ اس سے "درج" ہونے کی ترقی کا شوق دور ہو کر ایک دوسرے کی طرف سے ہر ایک کے دل میں حسد اور نفرت جاگزین ہو گئی۔ گویا بجائے "خود ایثاری" کے "خود پرستی" سر پر آ موجود ہوئی جیسا کہ یہی وجہ ہے کہ ہر ایک

مہذب ملک میں اہل ہند سے حیوانوں کا سا سلوک روا رکھا جاتا ہے۔

ب" **خاص آچاریہ :-** خاص آچاریہ (جن کو اوتار۔ پیغمبر یا گورو وغیرہ کہا جاتا ہے) وہ ہوتے ہیں جو کہ بلحاظ حالات زمانہ کے غیر معمولی قابلیت رکھنے کی بدولت اپنا حلقہ اثر بہت وسیع کر لیتے ہیں اور اپنے شاگردوں میں ایسی روح پھونکتے ہیں۔ جس سے وہ مذہبی یا سیاسی افراط و تفریط سے نکلکر جادۂ اعتدال پر آتے ہیں یعنے یا تو وہ ناستک پن اور بُت پرستی کی تاریک غاروں سے نکال کر سچدانند برہم کی اوپاسنا یعنے سوراجیہ حقیقی کا راستہ دکھلاتے ہیں۔ (جیسے سوامی شنکر آچاریہ ناستک پن کی غلطی کے مٹانے والے تھے تو سوامی دیانند بُت پرستی کی بلا سے چھڑانے والے۔ غرض دونو بجائے مادہ پرستی کے چیتن پرستی کے وکیل تھے۔) یا قوم کو ظالم اور مظلوم بننے سے بچاتے اور سوراجیہ مجازی کی رہنمائی کرتے ہیں۔ جیسے مہاتما بدھ کی تعلیم اگر ظالمانہ رواج کو دور کرنے والی تھی۔ تو گورو گوبند سنگھ جی کے اوپدیش مظلومانہ حالت سے نجات دلانے کے موجب ہوئے چنانچہ تیاگی مہاتما کے مقلد راجاؤں کے لڑکے و لڑکیوں نے اگر بھکشوؤں کا لباس پہنا تو تدبر گورو نے اپنے سکھوں کو چڑیوں سے باز مارنے والا بنایا۔ اور غلامی کی زنجیر میں پابستہ بھیڑوں کو خونخوار بھیڑیوں کا لباس پہنایا۔ یا یوں سمجھو کہ بزدل نرسنگھ بنا دئے۔ جنھوں نے ویدک دھرم کی ڈوبتی کشتی کو اسلامی طوفان سے بچا کر ساحل نجات پر پہونچایا۔ بقولیکہ :-

ع اگر نہ ہوتے گورو گوبند سنگھ ہندو دھرم کا ہوتا اش

چونکہ ایسے آچاریہ بھگوان کرشن کے کتھن انوسار ذات پاک سے خاص تقدیس اور بزرگی کا حصہ لیکر بوقت ضرورت ظہور پکڑتے ہیں۔ اسلئے موقع شناس اصحاب کا فرض ہے کہ ایسے مہاتماؤں کو سچے دل سے

خوش آمدید کہیں۔ اور ان کی خدمت اور بھگتی کو سعادت دارین کا موجب سمجھیں۔ یعنے حاکم یا حکیم وقت کیطرح گذشتہ رہنماؤں کی نسبت موجودہ گورو کی تنظیم میں سر تسلیم خم کرنا اور اس کے فرمان کو اپنے حسب حال اور مفید مطلب ہونے سے فرمان الہی کی طرح دل میں جگہ دیکر اس کے بموجب عملدرآمد کرنا اپنا دھرم سمجھیں۔ لقولیکہ:-

۵ گور گوبند دونو کھڑے کس کے لاگوں پاسئے؟
بلہاری اس گورو کے جن گوبند دیو ملاسئے

چونکہ سچائی بلحاظ "اصولی" اور فروعی" ہونے کے دو قسم کی ہوتی ہے جن میں سے "اصول" تو ہمیشہ سچے رہتے ہیں۔ لیکن فروعات بلحاظ زمانہ تغیر پذیر ہوتے ہیں۔ اسلئے لفظ بلفظ ہر قسم کی ہدایات سر وقت کے لئے موزوں اور مناسب نہیں ہوتیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ "شرتی" کی صداقت کو ہمیشہ تسلیم کرتے ہوئے بھی مختلف سمرتیوں یا آچاریوں کی تعلیم کے خاص حصوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ جو کہ نادانوں کے لئے میدان جنگ کا کام دیتا ہے۔ کیونکہ کوتاہ اندیش آدمی اپنے متعصبانہ خیال کے برخلاف ہونے پر افضل ترین معلموں کی شان میں بھی نالائم الفاظ کے استعمال سے نہیں چوکتے بقول مصنف:-

ٹ یہ خیال رہے کہ جس طرح کسی کا اپمان کرتے ہوئے بے لگامی کی حد تک پہونچنا یا شریف آدمیوں کی پگڑیاں اچھالنا غلطی ہے۔ ویسے ہی کسی کا مان کرتے ہوئے اسکو خوشامد سننے کا عادی بنا دینا یا کسی کو بزرگی دیتے ہوئے خود دماغی غلامی کی مرض میں گرفتار ہو جانا غلطی ہے۔ کیونکہ ایسی صورتوں میں ہی کمزور طبیعتیں مردم پرستی کی تاریک غاروں میں گرا کرتی ہیں:- گائتیری منتر، جس میں کہ بدھی کی آزادانہ ترقی کی پرارتھنا کیجاتی ہے برہمنا لیطرف سے دماغی آزادی کے دعویداروں کیلئے ایک مقدس عہدنامہ ہے۔

ہر اک کو عالم میں وہم ہے یہ کہ عقل میری ہے سب سے بڑھکر
ہے بیٹا میرا وہ خوبصورت نہیں ہے کوئی بھی جس سے بہتر
دے یہ معراج کا ہے نقشہ دکھاتی فطرت جو ہر بشر کو
ہے قومی عظمت یا موکش چیتن کی حاصل ہوگی اسکے اندر

حالانکہ اپنے تئیں سب سے عقلمند سمجھنا ہی ان کی حماقت کا نمایاں ثبوت ہوتا ہے لہذا ہر ایک صاحب فہم کا فرض ہے کہ بجائے اس کے کہ وہ اپنی شکتی کو ایسے رہنماؤں کی عملی زندگی اور تعلیم پر نکتہ چینی میں صرف کرے ان کی سوانح عمری اور تعلیم سے ان کے وقت کی حالت کا صحیح اندازہ لگائے اور جسطرح وہ اپنے وقت میں خاص جد و جہد سے کامیاب ہوئے ہیں اسی طرح ضروریات زمانہ کے لحاظ سے مناسب تعلیم اور عملدر آمد کی بدولت اپنے وقت کی مشکلات پر حاوی ہونے اور افراط و تفریط سے بچکر اعتدال کے حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اور جو لوگ اس پہلو میں اپنے سے بہتر قابلیت رکھتے ہوئے معلوم ہوں۔ مہاتما دتاتریہ جی کی طرح ان کی پیروی کو باعث نجات خیال کرے

از کلام مصنف :-

زمانے میں آج جس کو دیکھو رہ ترقی پہ وہ رواں ہے
اُمنگ دل میں بھری ہے سب کے خواہ پیر و طفلک ہے یا جواں ہے
یہ "جد و جہد برائے ہستی" عجب تماشے کا امتحان ہے
بچیگا "قابل ترین" اس میں یہ ریوولیوشن کی داستاں ہے
نہیں ہے آرام کی جگہ یہ ہے مرتا آرام کرنے والا
ہے زندگی سے مراد "حرکت" بڑھیگا بس کام کرنے والا
بھلا ٹھکانا کیا شخصیت کا جو قوموں تک کا مٹا نشاں ہے
کہاں ہے بابل کہاں ہے روما کہاں وہ مصر کا کارواں ہے؟

ڈبویا ہے سب کو عیش نے ہی یہی وہ کنعاں کا کنواں ہے
غرض کو چھوڑو فرض کو سمجھو فضیلت اسمیں ہی بس نہاں ہے
نہیں ہے آرام کی جگہ یہ ہے مرتا آرام کرنیوالا
ہے زندگی سے مراد حرکت بڑھیگا بس کام کرنیوالا

ہے قابلیت کا راج اب تو بغیر اس کے جگہ نہیں ہے
حصول اس کا ہے فرض سب پر یہی مصلحت کے بھی قریں ہے
یہی ہے داتا یہی ہے رکشک یہی ہے ناجی ہمیں یقیں ہے
ہے دنیا میں یہ خدائی رحمت اسی میں مخفی کمال دیں ہے
نہیں ہے آرام کی جگہ یہ ہے مرتا آرام کرنیوالا
ہے زندگی سے مراد حرکت بڑھیگا بس کام کرنیوالا

بسے جو دل میں ہر اک کے خواہش دماغ روشن ہو تن توانا
ہر اک کے دکھوں کو دور کرنا سمجھ لے ہر ایک دھرم اپنا
نہ چڑان چوسے تمہارے اگر یہ لکشمی کی ہے تاب پھر کیا؟
بڑوں سے بھی تم بڑے بنو گے جو یاد رکھو گے ایک نسخہ
نہیں ہے آرام کی جگہ یہ ہے مرتا آرام کرنیوالا
ہے زندگی سے مراد حرکت بڑھیگا بس کام کرنیوالا

یہی ہے وہ رمز معرفت کی جو کرشن گیتا میں گا گیا ہے
اسی کا عملی نمونہ بن کر وہ رام ہم کو دکھا گیا ہے
رسول حق ہے جو بن کے آیا یہی وہ نکتہ سنا گیا ہے
گورو تھا کوئی یا پیر و مرشد یہ بھید ہمکو بتا گیا ہے
نہیں ہے آرام کی جگہ یہ ہے مرتا آرام کرنیوالا
ہے زندگی سے مراد حرکت بڑھیگا بس کام کرنیوالا

ترقی پاتی ہے کام سے ہی جو تم کو طاقت خدا نے دی ہے

بنے ہے گلزار جھاڑیوں سے جو محنت اس پہ کسان کی ہے
اسی ہی خوبی سے قوم شاہاں نے شاہی ہاتھوں میں اپنے لی ہے
امن کا ہر سو جما کے سکہ سبق سکھاتی ہمیں یہی ہے

نہیں ہے آرام کی جگہ یہ ہے مرتا آرام کرنیوالا
ہے زندگی سے مراد حرکت بڑھیگا بس کام کرنیوالا

غرض ہے یہ کہ ہر اک کو سمجھیں گورو دو چاہے برا بھلا ہے
نہیں ہے مطلب کرم سے اس کے سنو جو کہتا وہ برملا ہے
ہر اک کے اوصاف اعلےٰ لیلو کہ راز ان میں ہی چھپ رہا ہے
رشی دتاتریہ نے سکھایا وہ سبق لینے کا طرز کیا ہے

نہیں ہے آرام کی جگہ یہ ہے مرتا آرام کرنیوالا
ہے زندگی سے مراد حرکت بڑھیگا بس کام کرنیوالا

"سوراج" مقصد ہو اپنا سچا ہیں جس کو اُپنشد "مکتی" کہتے
وہ "یوگ بھگتی" ہیں جس کے سادھن گیان سے جو دو چشمے بہتے
یہ اعتدال اور اتحاد ہیں بغیر جن کے ہیں دکھڑے سہتے
سدا ہیں گاتے یہ راگ جیتن نگاہ میں جن کی یہ دو ہیں رہتے

نہیں ہے آرام کی جگہ یہ ہے مرتا آرام کرنیوالا
ہے زندگی سے مراد حرکت بڑھیگا بس کام کرنیوالا

تعلیم
انسان کا مغربی نقطۂ نگاہ "جسم"
سورگ

گیان
انسان کا مشرقی نقطۂ نگاہ "روح آتما"
مکتی

من کی دوسری قسم یعنے "سبجکٹو مائینڈ"

اس سے مراد انتہ کرن کی دوسری طاقت یعنے "بدھی" (ادھیاتمک شکتی) سے ہے۔ جسمیں

علیحدگی کا عکس پڑتا ہے اور جو کہ آتما کی شریر میں اعلےٰ ترین مظہر
ہے ۔ یہی طاقت ہے جو کہ تربیت پانے پر بے تار کی تار برقی کیطرح بغیر
کسی قسم کے ظاہرہ وسائل کی موجودگی کے دور دراز کے حالات ۔
آئیندہ اور گزشتہ کے نامعلوم واقعات اور دیگر اشخاص کے خیالات کو
بخوبی کرتی اور قوت حافظہ کے سامنے لاتی ہے ۔ بالفاظ دیگر حقیقت
انسانی کے ہر سہ قیود (مکانی ۔ زمانی اور نفسانی) سے مبرا ہونے کا
ظاہرہ ثبوت بہم پہونچاتی ہے ۔ چونکہ جسم انسان کی بے اختیاری حرکات
اور گہری نیند کے عالم سے اس شکتی کا قوت آگاہی اور ارادی سے
بالاتر ہونے کی وجہ سے خاص تعلق ہے ۔ اس لئے اگرچہ اس کے
متعلقہ بہت سے امور "قواء خواب کی تربیت" اور "خود مستی" کے
عنوان میں بھی ظاہر کئے جا چکے ہیں تاہم چند ایک ضروری باتیں
یہاں پر بھی درج کرنی بے جا نہ ہونگی :-

اہل غور میں سے ہر ایک کا تجربہ ہوگا ۔ کہ جہاں پریم زیادہ ہوتا
ہے ۔ وہاں ایک ہی وقت میں جو خیال محبوب کے دل میں پیدا ہوتا ہے
وہی عاشق کے دل میں گذر جاتا ہے ۔ بمصداق :-

خوں رگ مجنوں سے نکلا فصد لیلیٰ کی جو لی ؛ عشق میں تاثیر ہے پر جذب کامل چاہیے

یہ امر در اصل اسی طاقت کا کرشمہ ہے ۔ اسی قوت کی تربیت سے انسان
عالم الغیب کا درجہ حاصل کرتا ہے جسکو اصطلاحی طور پر "علم مکاشفہ"
کہتے ہیں ۔ چونکہ اسی کی بدولت یوگیوں کی نسبت اکثر عجیب وغریب
اچھی جھوٹی روایات مشہور ہو رہی ہیں اور اسی کی آڑ میں اکثر چالاک
شخص سادہ لوح ضعیف الاعتقاد اشخاص کو سبز باغ دکھلا کر ٹھگ
لیتے ہیں ۔ اسلئے ناظرین کو بخوبی یاد رہے کہ گو "علم مکاشفہ" یوگ
کا ایک نتیجہ ہے ۔ لیکن یہ ان اشخاص کو حاصل نہیں ہوا کرتا ۔ جو

کہ شریر یا من کی دیگر قوتوں کے اعتدال کا خیال نہ رکھیں۔ جیسے اکثر بتراکی شکتی یا بیکار و بدکار سادھوؤں کے عمل سے ظاہر ہوا کرتا ہے بلکہ یہ شکتی صرف اُن اصحاب کو حاصل ہوتی ہے جو کہ اعتدال اور اتحاد کے پورے پابند ہوں۔ اِس لئے "بدھی" کی تربیت کے طالبوں کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ تمام دیگر قواء جسمانی و دماغی کو صحیح حالت میں رکھیں۔ تاکہ درخت کو پھل آنے کیطرح موقع پر یہ بھی اپنا ظہور دکھلائے اور منش کی تکمیل فطرت میں جو کمی ہو۔ اس کو پورا کرکے حقیقی مقصد کی کامیابی میں بحیثیت سادھن کے کام دے۔

بدھی کی تربیت کی ضرورت:۔ علم کا حصول دو طرح پر ہوتا ہے اوّل بذریعہ حواس۔ استدلال و شہادت (جس کو پرتیکش۔ انومان اور شبد پرمان کے نام سے بیان کیا گیا ہے۔ یہ طریقہ عوام الناس کے حصولِ علم کا ہے) اس کے لئے "چت" کی تربیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ دوم بذریعہ مکاشفہ (جسکو انبھو پرمان یا الہام کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ طریقہ کامل یوگیوں سے تعلق رکھتا ہے) اس کے لئے "بدھی" کی تربیت ضروری ہے۔ حواس انسانی مخصوص مکان و زمان میں کام کر سکتے ہیں۔ لہٰذا ہمارا علم حواس کے ذریعہ بہت محدود ہوتا ہے۔ ایک کثیر حصہ ہمارے علم کا استدلال سے حاصل ہوتا ہے تمام علوم طبعی۔ نجوم۔ ریاضی۔ فلاسفی وغیرہ اسی پر مبنی ہیں اور تاریخ و جغرافیہ وغیرہ کا علم ہم کو شہادت سے حاصل ہوتا ہے۔ اگرچہ ہمارا استدلال اور شہادت سے حاصل شدہ علم بمقابلہ حواس سے حاصل شدہ علم کے بہت زیادہ ہوتا ہے۔ تاہم محدود ہے۔ اس لئے جب تک انسان کو دوسرا ذریعہ (مکاشفہ) حصول علم کا میسّر نہیں

ہوتا۔ تب تک وہ علم کُل پر حاوی نہیں ہو سکتا۔ مثلاً! تاوقتیکہ جہاز
میسّر نہ ہو۔ وہ سطح سمندر کا علم محض کنارے پر بیٹھ کر حاصل
نہیں ہو سکتا۔ چونکہ تمام دُکھوں کا موجب خواہشات محسوسات
ہیں۔ اور اِن کا اصلی باعث "اگیان" یعنے یہ بھرم ہے کہ انسان راحت
کو جو کہ رُوح کا خاصہ ہے۔ اشیاء مادی میں سمجھتا ہے" اور رُوح
کی ماہیت (آتم گیان) انسان کے دل پر تبھی روشن ہو سکتی ہے۔
جبکہ مکمل علم حاصل ہو۔ اِسلئے تمام دُکھوں (آواگون) سے نجات
حاصل کرنے کیلئے لازمی ہے کہ علم کُل حاصل کیا جائے۔ مگر اِس کا
حصول چونکہ قواء مکاشفہ کو کام میں لانے کے بغیر ناممکن ہے۔
اسلئے انسانی زندگی کے حقیقی مدعا یعنے "سچدانند" کی پراپتی کے لئے
لازمی ہے کہ "بدّھی" کی تربیت کی جائے۔

طریق تربیت:- جسطرح تالاب کے پانی میں تہ کی اشیاء کا نظر
آنا اِس کے "نرمل اور نشچل" ہونے پر منحصر ہوتا ہے۔ ویسے ہی منش
کی ادھیاتمک شکتی کا جلوہ نما ہونا اِس امر پر مبنی ہے کہ اِس کا چت
شانت ہو۔ گویا جسطرح چت کی شکتیوں کا کمال (فلاسفی۔ شاعری۔
موسیقی و مصوری وغیرہ) تبھی ظاہر ہوتا ہے۔ جبکہ جسمانی حرکات بند
ہوں۔ ویسے ہی "بدھی" کی شکتی کا ظہور اِسحالت میں ہوتا ہے جبکہ
چت کے حرکات بند ہوں۔ چنانچہ نہ صرف مہرشی پاتنجل ہی سمادھی
کا سادھن چت ورتیوں کا نرودھ بیان فرماتے ہیں۔ بلکہ مغربی عالمان
"سائیکالوجی" کی بھی یہی رائے ہے کہ "سبجکٹو مائینڈ" کے آزادانہ
طور پر کام میں لانے کے لئے ضروری ہے۔ کہ خاص وقت کے لئے
"آبجکٹو مائینڈ" کو حتےّ الامکان غیر متحرک کیا جائے:- ۶

انتر کے پٹ تب کھلیں جو باہر کے پٹ دے

اسی مضمون کو دوسرے الفاظ میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے۔ کہ
مکاشفہ استغراق یعنے دھیان سے۔ استغراق یکسوئے دل سے اور
یکسوئے دل ترک و شغل یعنے ویراگ و ابھیاس سے پیدا ہوتا ہے
انہی چاروں منزلوں کو یوگ سوتروں میں پرتی آہار۔ دہارنا دھیان
اور سمادھی کے نام سے بیان کیا گیا ہے۔ چونکہ جسمانی حرکت سے
دوران خون اور تنفس میں تیزی پیدا ہوتی ہے اور یہ تیزی دماغ میں
تحریک پیدا کرنے کی وجہ سے "چت" میں انتشار پیدا کرتی ہے۔ اس
لئے اس سے محفوظ رہنے کے لئے ضروری ہے کہ بیرونی سکون حاصل
کیا جائے جس کے لئے یوگ درشن میں آسن اور پرانایام کی ہدایات
کی گئی ہیں۔ مانسک چنچلتا کے دیگر اسباب سے بچنے کے لئے یوگ
درشن یا گیتا کے چھٹے ادھیائے میں عالم تنہائی وغیرہ کی نسبت واضح
ہدایات بیان کی ہوئی ہیں۔ چونکہ ادھیاتمک شکتی سوتے وقت بھی
بیدار رہتی ہے۔ اس لئے سونے سے پیشتر اگر گہری توجہ کے ذریعے
کوئی خاص قابل غور امر اس تک پہونچا دیا جائے۔ تو اکثر "سوپن"
کی حالت میں بھی یہ اس کے متعلقہ مطلوبہ نتائج قوت حافظہ کے
سامنے پیش کر دیتی ہے۔ غرض انسان کی قوت آگاہی سے اس
شکتی کا ویسا ہی تعلق ہے۔ جیسا کہ منشور مثلثی میں بنفشی اور سرخ
رنگ کے ادھر ادھر کی شعاعوں کا قوت بینائی سے۔ چنانچہ جسطرح
"قوت بینائی" بذریعہ مادی آلات کے "ایکس ریز" وغیرہ شعاعوں کو
قابل دید بنا لیتی ہے۔ ویسے ہی "قوت آگاہی" "چت کے نرودھ" کی
مشق سے اس اعلے ترین شکتی پر حاوی ہو سکتی ہے ؛

من کا ویراگ

؎ کنچن تجنا سہج ہے سہج تریا کا سنیہہ؛ مان بڑائی ایرکھا دُربھ تجنا ایہہ؛

(کبیر صاحب)

جسطرح بیرونی دنیا میں ہر شے کی صحت کا انحصار قوت اتصال و انفصال کے ہم آہنگ رہنے پر ہوتا ہے۔ ویسے ہی مانسک صحت بھی اسی صورت میں قائم رہ سکتی ہے۔ جبکہ ہر پہلو میں محبت اور نفرت کو اعتدال پر رکھا جائے۔ چنانچہ باوجود اس امر کے کہ منش کی بزرگی کا انحصار مانسک شکتیوں کی ہی تربیت پر ہے۔ تاہم ایک طرف اگر یوگ آچاریہ مہرشی پاتنجل "سوروپ" کی پراپتی چت ورتیوں کے نرودھ پر مبنی بتلاتے ہیں۔ مصداق:- ؎

علم را و عقل را و قال و قیل جملہ را انداختم در آب نیل
اسم را و جسم را در باختم تا کمالِ معرفت دریافتم

تو دوسری طرف ویدانت آچاریہ بھی من کو ہی مایا کا اکلوتا بیٹا قرار دیکر انسان کو حقیقت ذاتی سے غافل رکھنے والا "پرم شترو" ذہن نشین کراتے ہیں۔ اسلئے طالب حق کے دل میں فطرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ اس "اجتماع ضدین" سے کیا مراد ہے؟ سو معلوم رہے۔ کہ جسطرح "سٹرکنیا" نامی کیمیائی مرکب میں "نائیٹروجن" کی خفیف مقدار بھی انسان کے لئے مہلک زہر کا کام دیتی ہے حالانکہ سانس کی ہوا میں تقریباً نواسی فیصدی ہوتے ہوئے کسی قسم کا مضر ہی نہیں۔ بلکہ مفید اثر رکھتی ہے۔ ویسے ہی انسانی "خودی" اسکا معاملہ ہے۔ جو کہ قومیت سے وابستہ کئے جانے پر ازبس مفید ہوتے

ہوئے بھی محدود شخصیت سے تعلق پانے پر ہر قسم کی ترقی میں سدِّ راہ بنتی اور تباہی کا باعث ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سانپ کی زہریلی کچلیاں نکالنے کیطرح من ہی سے بھی اِس "خودی" (انانیت ادتے) کا خیال نکالنے پر ہی ہر ایک رہنما نے زور دیا ہے۔ چنانچہ ایک طرف اگر بھگوان کرشن کا یہ کتھن ہے (بھگوت گیتا ادھیائے ۲ شلوک ۷۱)

विहाय कामान्यः सर्वान्पुमांश्चरति निःस्पृहः।

निर्ममो निरहंकारः स शांतिमधिगच्छति ॥२।७१॥

کہ ہے ارجن! جو شخص "میں" اور "میرے" کے خیال سے رہت ہوئے کے کارن تمام خواہشات نفسانی سے دلبستگی کو مٹا کر بیوہار میں مصروف رہتا ہے۔ وہی شانتی کو پراپت ہوتا ہے" تو دوسری طرف تلسی رامائن میں شری رامچندر جی کا بھی لکشمن جی کو اوپدیش کرتے ہوئے اسی مضمون کا یہ وچن ہے:۔

میں اور مور تور تیں مایا ۔۔۔ جا بس کینہے جیو نکایا

گو گوچر جہاں لگ من جائی ۔۔۔ سو سب مایا جانو بھائی

ایشور انش جیو ابناشی ۔۔۔ چیتن امل سہج سکھ راشی

سو مایا بس بھیو گوسائیں ۔۔۔ بھنسیو کیٹ مرکٹ کی نائیں

اگرچہ اِن مختصر الفاظ میں "من کے ویراگ" کی رموز اس خوبی سے ظاہر کردی گئی ہیں۔ گویا سمندر کو کوزہ میں بند کرکے رکھ دیا ہے۔ کیونکہ درحقیقت مانسک ویراگ سے مطلب "غرور اور تعصب" نامی دو خرابیوں کو ہی دور کرنے سے ہے۔ جو کہ منش کی باطنی ترقی میں سدِّ راہ ہوتی ہیں۔ لیکن عام طور پر اہل ہند نے چونکہ اہنکار اور ممتا کے معنے سمجھنے میں ایسا سخت مغالطہ کھایا ہے۔ کہ دین آور تن کے متعلقہ ویراگ کی غلط فہمیوں کو بھی ماند کر دیا ہے۔

چنانچہ ایک طرف اگر "مُوڑھ آتما" لوگ کرم اندریوں کو روک کر لذات محسوسات کا خیال رکھنے سے "متھیا چاری" کا روپ دھارن کئے دیکھے جاتے ہیں۔ (گیتا ۳/۶)۔ تو دوسری طرف صرف عقلی ترقی کرنے سے مکاری کی بیماری میں مبتلا شخص (واچک گیانی) عاقبت کے خیال کو دل سے دور کرنے یعنے عملی طور پر ناستک ہونے سے اپنے تئیں "نرلیپ برھم" کا نام دیتے اور اندریوں کو وشیوں میں لگا کر ہر قسم کی بدکاریوں کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ گویا بجائے اس کے کہ انسانی شکتیوں کو ہم آہنگی کی صورت میں نشو و نما دیکر شخصی خودی غلط عقیدے اور خراب عادات کو ترک کرتے اور ان کی جگہ خود ایثاری۔ معقول پسندی اور نیکوکاری کو اختیار کر کے شانتی کے راجیہ کا کارن ہوتے۔ الٹے جھگڑے فساد۔ حسد و کینہ اور باہمی نااتفاقی کی بدولت قومی ترقی میں رکاوٹ ڈالتے اور "انار کزم" (بے لگامی) کا باعث بن رہے ہیں۔ اس لئے ناظرین کو ان الفاظ کا مفہوم سمجھنے میں آسانی پیدا کرنے کی غرض سے ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس مضمون پر ذرا وضاحت سے بحث کی جائے۔ کیونکہ:۔

ے جہاں سومتی تہاں سمپتی نانا جہاں کومتی تہاں وپتی ندھانا

غرور اور تعصب ترک کرنے کے معنے:۔ اہنکار کے لغوی معنے "میں" اور ممتا کے معنے "میرے" ہیں۔ جنکو کہ اودیا[1] کا سوروپ ہونے سے

[1] اہل حقیقت کی نگاہ سے کائنات میں ایک ہی "سچائی" ہے۔ جو کہ دیش کال اور وستو کے اختلاف تعلقات سے مختلف صورتوں میں جلوہ نما ہوتی ہے۔ مثلاً (۱) دیش کے لحاظ سے: اگر کوئی شخص صبح سورج کے طلوع ہوتے ہی جبکہ وہ گول سنہری تھال کی صورت میں نظر آتا ہے۔ خیالی گھوڑے پر سوار ہو کر دس لاکھ میل فی گھنٹہ کی رفتار ہونے سے اس کی طرف چلے اور سہ گھنٹے ... تو ... ٹھیک اس کی سطح تک جا پہنچے

مُکتی کے راستے کی روکاوٹ سمجھکر شاستر کاروں نے دُور کرنے کی ہدایت

بقیہ حاشیہ :- اندر والیں آکر ان تمام تصاویر کو نمائشگاہ میں رکھتے تو باوجود اس کے کہ وہ ایک سورج کی ہی تصاویر ہیں - تاہم اُنمیں اتنا اختلاف ہوگا - کہ ہر روز نقال کیصورت میں سورج کو دیکھنے والا متعصب شخص کبھی ممکن نہیں کہ ان کو ایک ہی شے کی تصویریں سمجھے (۲) کال کے لحاظ سے :- اگر کوئی فوٹو گرافر خیالی شخص بذات خود بچ دریہ کے وصال پر بنیادی وسیل، ابھنے سے شروع ہوکر بوڑھاپے تک اپنی ہر مہینے کی تصاویر کسی نمائشگاہ میں پیش کرے تو اسکو جوانی کیصورت میں دیکھنے والا متعصب شخص کب ان تمام کو ایک ہی ہستی کی تصویریں تسلیم کر سکتا ہے ؟ (۳) وستو کے لحاظ سے :- اگر سو مصور حلقہ نما صورت میں کھڑے ہوکر ایک غیر متحرک شخص کی ایک ہی وقت میں تصویریں لیں - تو کون نہیں جانتا - کہ مختلف پہلوؤں کا عکس ہونیسے وہ تمام تصاویر باہم اتنی مختلف ہونگی - کہ اسکے چہرہ کو دیکھنے والا متعصب شخص ان کو ایک شخص کی تصاویر تسلیم کرنے میں ضرور انکار کریگا - علیٰ ہذا القیاس اگر سو آدمی مختلف برتن لیکر ایک ندی سے پانی بھریں - تو جطرح ہر ایک کو وہ پانی اپنے اپنے برتن کی ہی صورت نظر آئیگا - ویسے ہی ایک عالمگیر صداقت ہے جو کہ ہر شخص کو اپنے اپنے "من" (قوت آگاہی) کے مٹکے کی صورت میں نظر آرہی ہے - بمصداق :-

جسکو ہوئی بھاونا جیسی ہری مُورت تِس دیکھی تیسی

بایںہمہ اہل حقیقت تو اُس کو اپنے "من" کی طرح ہر ایک کے "من" کے اندر بھی وہی "تام روپ بلا بسے بالاتر سچائی" انبھو کرتے ہیں - لیکن صرف اپنے من کی قید میں مبتلا یعنے متعصب شخص اسی کو تنہ اندیشی سے باہم گریبان ہونے لگ جاتے ہیں - کہ "سچائی صرف وہی ہے جو میرے من میں محدود ہے" باقی سب جھوٹ ہے - تمام مذاہب دنیا کے اختلاف کا باعث تو در اصل ہر ایک رہنما کی فطرت (دیش - کال - وستو) کا اختلاف ہے - لیکن جاہل معتقد اُسی کو عالمگیر سچائی سمجھے ہوئے ہیں - دریں حالت اتحاد ہو تو کیونکر ؟ ضرورت ہے کہ پہلے اس اودیا کو دور کیا جائے - تا کہ بجائے باہمی جھگڑوں کے "انسانی شکتی" کو بہترین کام میں لایا جا سکے - اسی "غرور اور تعصب" دور کرنے کی فلاسفی کو ٹھیٹھ لاجیکل پیرائے میں ظاہر کرنے کی غرض سے شری مدبھاگوت کار نے بھگوان کو گوپیوں کی "پانی کی مٹکیاں" توڑنے کی صورت میں پیش کیا ہے ؛؛

کی ہے۔ لیکن چونکہ نہ صرف کسی "ہستی" کو "نیست" کرنا ہی ناممکن ہے
بلکہ اگر اس کے لئے کسی قسم کی کوشش بھی کیجاوے۔ تو خلاف "قدرت"
ہونے سے اس کا تکلیف دہ ہونا یقینی امر ہے ؛ دیگر۔ "میں" کا زیر مفہوم
بھی سچا آنند دائک ہونیسے ایسا "پریم کا پاتر" ہے۔ کہ نہ صرف اس
سے نفرت کرنا ہی ناممکن ہے۔ بلکہ "اوداسین" رہنا بھی تقریباً ویسا
ہی ہے۔ کیونکہ جسقدر "میں" کا کسی شے سے گہرا تعلق ہوتا ہے۔ اتنی
ہی وہ زیادہ راحت بخش ہے۔ نیسے خاص دلچسپی کا باعث ہوتی ہے
جتنے کہ اس کے لئے دوسری ہر قسم کی اشیا کی قربانی کرنی سہل معلوم
ہوتی ہے اس لئے "میں" کا ناش کرنا تو گویا ناممکن سے بھی دو قدم
آگے یعنے "ڈبل ناممکن" کی حد تک پہونچ جاتا ہے۔ اس لئے شاستر کاروں
کا مطلب اس کے ناش کرنے سے تو ہو ہی نہیں سکتا۔ ہاں البتہ
بیربل کے لکڑی کو بغیر توڑے چھوٹا کرنے کیطرح اس "میں" "میرے"
کو دور کرنے کے معنے اگر معقول طور پر کچھ ہو سکتے ہیں۔ تو بس یہی
کہ مانسک کوششوں کے دائرے کا مرکز جسم اور کنبے سے بتدریج
دور کیا جائے اور برف سے بھاپ بنانے کیطرح اسکو ادنےٰ درجے
کی کثافت نما حالت سے اعلےٰ درجہ کی لطیف صورت میں بدل
دیا جائے ؛

"خودی کے درجات":- چونکہ جہاں یہ "میں" صرف جسم پر حاوی
ہوتی یعنے جسم کو ہی "میرا" کہتی ہے۔ وہاں تو تمام کائنات کو جسمانی
آسائشوں کے لئے قربان کرنے پر تیار رہتی ہے۔ بمصداق ع

سگ حضوری بہ از برادر دوری

اور جہاں کنبے پر عائد ہوتی ہے۔ وہاں اس کی خاطر نہ صرف بیرونی
کائنات کی ہی پرواہ نہیں کیجاتی۔ بلکہ محبت مادری کیصورت میں

اپنے جسم تک کو بھی نچھاور کر دیا جاتا ہے اور جب ایک قدم اِس سے بھی آگے بڑھکر "سماج" کو یہ اِکھٹے ہوئے اِس کے روپ میں جلوہ نما ہوتی ہے تو اِس کی حدود سے باہر کی دنیا کے علاوہ اپنے شہر اور کُٹنب کو بھی اِس یگیہ میں آہوتی بنا دیتی ہے۔ اور چوتھی بھومکا پر پہونچکر جب چاروں ورنوں کے مجموعہ یعنے "قوم" پر یہ میں اپنا سنہری رنگ چڑھاتی ہے۔ تو اِس محب القوم کے لئے خودی کی ابتدائی تینوں حالتیں فنا ہو جاتی ہیں۔ گویا وہ قوم کے لئے سب کچھ تیاگ کر ایک ایسی آزاد" انانیت اعلےٰ" بن جاتا ہے۔ جس کی تینوں قیود مٹ چکی ہوں۔ چنانچہ بحیثیت ایک بھارت واسی کے وہ ہمالیہ کی چوٹی (کیلاش) کو اپنا سر۔ راس کماری (رامیشور) کو اپنے پاؤں۔ دوارکا اور جگن ناتھ کو اپنے ہاتھ سمجھتا ہوا۔ اپنی ہر ایک دماغی یا جسمانی حرکت سے تمام آریہ ورت کے لئے ویسے ہی شبھ چنتن کرتا ہے۔ جیسے کہ ادنےٰ ترین درجے کی خودی والا اپنے جسم کو آرام پہونچانے کی غرض سے کوشش کرتا ہے۔ ۵

مُوڑھ کُٹنب پرائن جیسے دیش بھگت چینتن نر تیسے

اسلئے جس طرح بھیگے کپڑے سے پانی دُور کرنے کے عملی طور پر یہ معنے ہوتے ہیں کہ اِس کو سورج کی گرمی کے ذریعے بخارات کی صورت دے کر وسیع طبقے میں پھیلایا جاوے۔ ویسے ہی اِس "میں" روپی اہنکار کو دُور کرنے سے یہ مراد ہے۔ کہ بجائے محدود حالت جسمانی میں بند رکھنے کے اِسکو "تپ" کی گرمی سے اتنے وسیع حلقے (ہندوستان میں پھیلایا جائے۔ کہ بجائے خون۔ لعاب۔ پسینہ۔ ویریہ اور پیشاب کے "غلیظ پنجاب" (جسم کثیف) میں سڑنے کے گنگا۔ گیا۔ اور گوداوری کی پوترتا کو دھارن کرکے اِس کا مضر اثر جاتا ہے۔ اور آتشگیر مادے

(جوالکھی) کیطرح بند رہنے سے جو اس میں مہلک نتیجہ منتج ہوتا ہے
وہ ناش ہو جاوے یا سنکھیا کے زہریلے اثر کی جگہ جو کہ "مردہ" (اشو
بنانے کا باعث ہوتا ہے۔ اِس کا گشتہ دوائی کیصورت میں "کلیان"
(شو) پراپتی کا کارن ہو:۔

۱۔ اُپنیشد میں یا "کہیو چھری پھر آئی آن ہون نارائن جمنیا" بھلی جو کھائے پلید چھان

ورن۔ آشرم:۔ چونکہ یہی باطنی ترقی منش کے گن کرم اور سوبھاؤ کے
اختلاف کا باعث ہوتی ہے۔ اِس لئے شاستر درشٹی سے جہاں ایک
طرف شخصی حیثیت سے بچپن۔ جوانی۔ اودھیڑ اور بڑھاپے میں شریر
کٹنب۔ سماج اور دیش ہتکاری ہونیسے بتدریج برہمچریہ۔ گرہست۔
بان پرست اور سنیاس کی بزرگی نمایاں ہوتی ہے۔ وہاں قومی حیثیت
سے استھول۔ سوکشم۔ کارن شریر اور آتما میں "سنسکار" کے جگہ پانے
پر جو اعلیٰ درجہ نصیب ہوتا ہے۔ اِسکو بالترتیب شودر۔ ویش کشتری
اور برہمن کے ناموں سے بیان کیا گیا ہے۔ بقول مصنف:۔

شریر استھول کی ہی راحتوں کا ہے جو دیوانہ — اِسی کی چاکری میں رات دن رہتا ہے مستانہ
نہیں پرواہ ہے عقبیٰ کی نہ مطلب ولتی و جانی سے — وہی شودر ہے وہ جسموں سے جیتن جو ہے بیگانہ
شریر استھول سے بڑھکر بنائی "سوکشم" میں جا — دماغی رس جو لیتا ہے نہیں طعنہ ہے سہ سکتا
مصیبت کی تپش کو جھیل کر بھی کچنے کو سکھ دے — وہی ہے دیش جیتن پر کشش کا جلوہ جو دکھلاتا
بنا گہرے کارن میں پڑ جاے "سوکشم" سے جو — ارادہ رکھتا ہے مقبول خواہ کوئی کچھ کہے اُس کو
فرض اور حق کو سمجھے من میں رکھے پریم جاتی کا — وہی چھتری ہے سچا کشتری خواہ جنم سے کچھ ہو
مٹا کر تینوں قیدوں کو جو آتم رام بن بیٹھا — ہیں چاروں ورن یکساں جسکو پورن کام بن بیٹھا
برہمن ہے وہ جیتن من میں رشیوں کے جو رہتا ہے — ترانہ دیس کا گاوے وہی گھن شام بن بیٹھا۔

خودی کی اقسام:۔ بالفاظ دیگر کائنات میں خودی کی چار اقسام پائی جاتی
ہیں:۔ شیطانی۔ حیوانی۔ انسانی۔ رحمانی۔

شیطانی اس میں نیت اور کرم دونوں میں خرابی نمایاں ہوتی ہے۔ یعنے بلا وجہ دوسرے کو نقصان پہونچایا جاتا ہے جسے "گناہ بے لذت" کہتے ہیں بمصداق :

نیش عقرب نہ از پئے کین است
مقتضائے طبیعتش این است

گویا جسطرح اکثر نادان بچے کیڑے مکوڑوں کو بلا وجہ مار ڈالتے ہیں یا پھولوں پتوں کو بیفائدہ توڑ کر پھینک دیتے ہیں۔ ایسے ہی شیطان سیرت اصحاب اپنی دولت طاقت یا حکومت کے ابھمان میں اپنے سے کمزوروں کو تکلیف دینے میں راحت محسوس کرتے ہیں۔ یا علم کے غرور سے عزازیل اور شوپنہاؤر کینیو کی طرح ایسے بے ادب ہو جاتے ہیں کہ بزرگوں کی تعظیم کرنے میں بھی کسر شان سمجھتے ہیں۔ گویا حقیقت ذاتی کو بھول کر جنم یا کرم کے اوصاف پہ (جن کا حصول محض اتفاق حالات پر دیکھا جاتا ہے) موروں کے پر پہننے والے کوے کیطرح اینٹھے پھرتے ہیں اور نقلی ڈاڑھی موچھیں لگا کر بوڑھے کہلانے یا سٹول پر کھڑے ہو کر بڑا قد دکھانے میں رس پاتے ہیں جسکا نتیجہ اکثر ذلت اور خواری ہونیسے باعث تکلیف ہی ہوتا ہے بقولیکہ :

عجب نادان ہیں جن کو ہے عجب تاج سلطانی
فلک بال ہما کو پل میں سونپے ہے مگسرانی

ایسے جہل مرکب میں مبتلا اشخاص یہ نہیں سوچتے۔ کہ اس "لا انتہا کائنات" میں ان کا ...... ساز و سامان گوبر کے کیڑے سے بھی کم وقعت رکھتا ہے۔ نیز یہ چند روزہ زندگی "لا انتہا وقت" میں وہ حیثیت بھی نہیں رکھتی۔ جو کہ ساری زندگی کے مقابلے میں ایک سیکنڈ کی ہوتی ہے۔ اسلئے انکا تکبر سوائے ان کی جہالت کے اور کسی امر کا مظہر نہیں ہوتا :

نہ گور سکندر نہ ہے قبر دارا
مٹے ناموں کے نشاں کیسے کیسے!

(۲) حیوانی خودی :- اِس وصف سے موصوف اصحاب کی نیت اگرچہ طبعاً بری نہیں ہوتی۔ لیکن خودی کے کمال پر ہونے کی وجہ سے کرم کی برائی میں کچھ نفرت نہیں بلکہ خاص رغبت دکھائی جاتی ہے جیسے اکثر اشخاص اپنے سکھ کی خاطر چوری۔ رشوت۔ زنا اور دغابازی وغیرہ کی صورتوں میں دوسروں کو دکھ پہونچاتے ہیں۔ انسانیت سے معرا اور دیانت داری سے مبرا ہونے کی وجہ سے ایسے اشخاص ہی "برادران یوسف" کی اصطلاح سے پکارے جاتے ہیں۔ بقولیکہ :-

بھاگ اِن بردہ فروشوں سے کہاں کے بھائی؟
بیچ ہی ڈالیں جو یوسفؑ سا برادر ہووے

(۳) انسانی خودی :- انسانی صورت میں "انسانی خودی" کا پیدا کرنا ہر انسان کا فرضِ اعظم ہے۔ کیونکہ اگر انسانیت سے بالاتر جلوہ نہ دکھا سکے۔ تو کم از کم اپنی فطرت کا اظہار تو اصلی صورت میں کرے۔ مگر افسوس اہل ہند میں عام طور پر اِس امر کی ضرورت ہے۔ بقول غالب :-

مشکل ہے ہر اک کام کا آسان ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انسان ہونا

اِس "مظہر انسانیت" میں اگرچہ نیت میں خود غرضی تو موجود ہوتی ہے لیکن وہ انانیت لطلے کے اتنی قابو میں ہوتی ہے۔ کہ بلحاظ شرافت دوسروں کو سکھ پہونچا کر ہی سکھ حاصل کیا جاتا ہے۔ خواہ دنیا داری کے بیوپار۔ یا دیگر کاروبار کی صورت میں ہو۔ خواہ گپیہ دان وغیرہ سے نیک نامی اور شہرت حاصل کرنے کی شکل میں۔ غرض یہ ہے۔ کہ گو عقل کل سے انسان محروم ہو۔ لیکن اخلاقی حس ضرور رکھتا ہو۔ بقول مصنف :-

ضبط و ایثار کے اوصاف ہوں زینت جسکی ۔۔۔ ہے وہ انسان ہو انسان کی طینت جسکی
ورنہ مندر میں یہ سب سوانگ بنے بیٹھے ہیں ۔۔۔ کب وہ بیتیں ہیں خرابات جو تنے بیٹھے ہیں

(۴) رحمانی خودی :- اِس قسم کی خودی چونکہ عقل و اخلاق کے کمال پر مبنی ہوتی ہے - اِسلئے نہ صرف اِس میں کرم ہی صحیح اور نوع انسان کے لئے سکھدائی ہوتے ہیں - بلکہ نیت بھی پر اوپکار کے جذبے سے بھرپور ہوتی ہے - گویا دوسروں کے سکھ پہونچانے کے لئے خود دکھ اٹھانے میں بھی دریغ نہیں کیا جاتا - بلکہ اپنی تکمیل فطرت کا سادھن سمجھکر اِن دکھوں کو بھی اسی رغبت سے برداشت کیا جاتا ہے - جیسے پہلوان لوگ کشتی کا فن سیکھنے میں چوٹیں کھاتے ہیں - بقولیکہ:- مجھے اِس درد میں لذت ہے ملے جوشِ جنون اچھا - میرے زخم جگر کے ہر گھڑی ٹانکے اُدھیڑے جا رہا ہے ہوش کچھ باقی اسے بھی اب نبیڑے جا - یہی آہنگ اے مطرب بسر تا ئی چھیڑے جا - بھگوان کرشن کا بے ہتیار رہنے کی شرط کئے جانے پر بھی مہابھارت کے میدان میں مصیبت زدہ اور کمزوروں کو مدد پہونچانا اور مہاتما بدھ کا نوع انسان کی رہنمائی کے لئے راج چھوڑ کر خود مصیبتیں اٹھانا اِسی باطنی کمال کی مثالیں ہیں - گویا اِن کا درد ہی یہ تھا :- ؎

سینے میں میرے تیر لگاؤ تو غم نہیں
لیکن تمہارے ہاتھ کو صدمہ نہ ہو کہیں

چونکہ عملی پہلو میں نیت اور کرم دونوں کے نقطۂ نگاہ سے اِن چاروں اقسام میں سے ایک سے دوسری "خودی" اعلیٰ درجے کی مظہر ہے اِسلئے صبطرح یہ جملہ کہنے سے کہ "شہر میں کوئی بیمار آدمی نہ رہے" یہ ظاہر ہے کہ ہر ایک شخص کو تندرست ہونے پر زور دیا گیا ہے - نہ کہ بیماروں کی ہستی مٹانے پر - ویسے ہی خودی دور کرنے کی ہدایت سے یہ مراد ہے کہ اعلےٰ درجے (شودہم - سوہنگ) کی خاطر ادنے

دھن کی خودی (دولتمند۔ خوبصورت۔ طاقتور۔ حاکمِ وقت وغیرہ کے
خیالی فخر) کو ترک کیا جاوے۔ کیونکہ یہی وہ مسیحائی صلیب ہے جس پر
چڑھنے سے دوسروں کے دُکھ برداشت کرنے کی قابلیت اور "امرت
پتر" کہلانے کا استحقاق حاصل ہوتا ہے۔ دوسروں کے دُکھ دیکھ کر
رونا ہی خودی کی قربانی یا پریم کا سچا معیار ہے۔ بقول کسے:۔

ہاتھ خالی مردم دیدہ بتوں سے کیا ملیں
موتیوں کی پنجۂ مژگاں میں اک مالا تو ہو

اسی سچے "پریم" کا روپ دھارن کر لینے پر گیانوان ہر کہ و مہ کے دل میں
پرماتما پاتا اور ہر کس و ناکس کو "پرماتما" کے روپ میں نظر آتا ہے:۔

شہیدوں کی یاد میں رو رو کے ہم گنگا بہا آئیں ؛ گلے میں اپنے اشکوں کی بنی اب رنڈمالا ہے
تبانِ ہند ورتن کو سمجھ کر تیرتھ آتے ہیں ؛ دل آتش فشاں اپنا کئی دن سے جوالا ہے

"سائیکالوجی" کے نقطۂ نگاہ سے "خودی" کی حقیقت:۔

اور اگر "مانسک ودیا" کے پہلو سے دیکھا جائے۔ تو بھی اس "خودی" کی
ہستی موہوم ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ پیدائش سے کئی مہینے بعد تک بچے
کو "میں۔ میرے" کا خیال نہیں ہوتا۔ جوں جوں اس کے حواس کے تجربات
بڑھتے جاتے ہیں۔ اور وہ دنیاوی اشیاء میں تمیز کرنا سیکھتا ہے تیوں
تیوں اسکو بمقابلہ دیگر اشیاء عالم کے اپنے جسم کی اپنے سامنے ہر وقت
موجودگی اور اسکی بدولت بیرونی محسوسات سے سُکھ دُکھ کے تاثرات
پہونچنے سے "جسم کثیف" میں خودی کا یقین ہوتا جاتا ہے اور وہ غیر سے
اپنے تئیں علیحدہ سمجھنے لگتا ہے۔ جس کی تصدیق وہ اپنا "نام" اپنے "جسم"
سے وابستہ کرنے سے کرتا ہے (۲) اس کے بعد بتدریج وہ خودی ترقی
کرکے جسم سے "من" پر عاید ہوتی ہے۔ جبکہ وہ اعضاء جسمانی کے اندرونی
احساس سے سُکھ دُکھ کے تاثیرات پاتا ہے۔ اور اپنے محسوسات۔

خواہشات اور ارادوں میں وحدت کا جوہر دیکھتا ہے۔ گویا کسی۔
خواہش کے بموجب کام کرنا اس کے خیالات اور اعمال میں وحدت
کا رشتہ قائم کرتا ہے لیکن جسم کے ناقابل عمل ہونے پر منبع خواہشات
اس سے علیحدہ اپنا آپ یقین ہوتا ہے نیز کافی علم حاصل کرنے پر
بیرونی اشیاء کے "احساس" اور ان کے "خیال" میں فرق کر سکنے پر
اس کی اندرونی خودی پختہ ہوتی ہے ۔ یہ خودی کا خیال بول چال
سے بھی نشوونما پاتا ہے ۔ کیونکہ اس کو ہمیشہ ایک ہی نام سے پکارا
جاتا ہے۔ جس سے اس میں اُس نام اور اپنے جسم کی مشترک خودی،
نام روپ کی زنجیر مضبوط ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ وہ اپنے جسم
سے کیئے گئے کام کو اپنے "نام" سے ہی منسوب ہوتا ہوا دیکھنے میں رس پا
سکتا ہے ۔ حالانکہ نام کا مفروضہ اور روپ کا تغیر پذیر ہونا مسلمہ
ہے۔ دیگر اشخاص کی طرف سے غمخواری کرنے یا خواہشات کے دریافت
کرنے کی صورت میں لفظ "تم" کا استعمال بھی اس کو غیروں سے
علیحدہ کرنے میں مدد دیتا ہے ۔ یہ امر روز روشن کیطرح عیاں ہے۔
کہ وحشی اقوام کی طرح بچپن میں بھی "میں" کا خیال صرف مادی ہی
ہوتا ہے ۔ یعنے وہ اپنے تئیں جسم میں کسی خاص جگہ (عموماً سینہ یا سر
میں) پر مقیم مانتا ہے ۔ لیکن جوں جوں سماج کیطرف سے اس پر اخلاقی
فرائض کا بوجھ پڑتا ہے ۔ وہ بتدریج روحانیت کیطرف مائل ہوتا ہے
اگرچہ نیند یا امراض کی وجہ سے سلسلۂ یادداشت ٹوٹ جانے کے
علاوہ سالہا سال کے واقعات کا بھول جانا اور خیالات خواہشات
اور دلچسپیوں کا بدل جانا زمانہ حال کو زمانہ ماضی سے ایسا علیحدہ
کر دیتا ہے ۔ کہ بہت سی اپنی متعلقہ باتوں کا صرف دیگر اشخاص کے
کہنے سے ہی یقین ہوتا ہے ۔ تاہم جسطرح خیالات ۔ جذبات

اَور ارادے ہمعصر ہوتے ہوئے جسم کے مختلف اعضاء کی طرح
بلحاظ دیش کے وحدت شخصی کا ثبوت بہم پہونچاتے ہیں۔ ویسے
گذشتہ واقعات اَور ذاتی تجربات کا خیال میں آنا بلحاظ کال کے اِس
کی ذاتی وحدت کو ذہن نشین کراتا ہے۔ جسمانی احساس کے ساتھ
اپنے گذشتہ واقعات کی یاد بل کر محدود شخصیت ماننے کا باعث ہوتا
اِس دلیل سے ظاہر ہے کہ جب کبھی کسی بیماری کی وجہ سے اچانک
جسمانی شکل اَور احساس میں تبدیلی ہو جاتی ہے۔ تو یکدم اِس کے
ساتھ ہی شخصیت کا خیال بھی بدل جاتا ہے۔ چنانچہ عالم بیداری میں
محسوسات کا فوری تغیر ہونے سے عالم خواب کی شخصیت کو موہوم
قرار دینا ہر شخص کا ذاتی تجربہ ہوگا۔ (۳) ان دونوں (تن من) سے بالا
تر خودی کے نشوو نما کی وہ حالت ہے جو کہ عقلی۔ تاثراتی اَور اخلاقی اوصاف
کے کمال حاصل کرنے پر اپنے چال چلن میں مستقل خصوصیت پیدا ہونے
سے سچائی خوبصورتی اَور فرض کی حس نمودار ہونے پر اعلےٰ درجہ
کے خیالی "انتخاب" (عمومیت) کا نتیجہ ہوتی ہے۔ چونکہ انسانی
"فرض" کے حلقے میں نہ صرف اپنی یا اپنے ہمعصروں کی ہستی ہی قائم
رکھنی شمار کیجاتی ہے۔ بلکہ اپنے جانشینوں (نسل) کی ہستی کو قائم کرنا بھی
شامل ہے جس سے دیش کال کی حدود سے بالا تر یعنے لامحدود ہستی "ابد
الابد" ہونا ہی پایا جاتا ہے۔ جو کہ سنسکرت کے لفظ "ست" کا مفہوم

۱ہر شخص کے دل میں "زندہ رہنے کی خواہش" سے بیرونی عالم میں "اگر دوامی زندگی"
کی موجودگی پر دلالت ہوتی ہے تو "احساس" ہمدردی یا فرض "شخصی زندگی کے۔
سروپاپک" ہونیکا مظہر ہے۔ ورنہ دھرم کرم سب بیچ ہو جائیں۔ ۲ تین قدموں
میں ترلوکی (تن۔ من۔ آتما) پر حاوی ہو جانے سے اِس خودی کی خدائی کا بھگوان بامن
اوتار کے استعارے سے بھی تعلق ظاہر ہوتا ہے۔

ہے - اور سچائی کا حصول علم کُل پر مبنی ہے - جس کو "چِت" کہا گیا ہے اور خوبصورتی کا احساس سُرور مطلق کا باعث ہوتا ہے - جسکو "آنند" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے - اس لئے اس صورت میں اسکی خودی "ست چِت آنند" سوروپ میں ہی قیام پاتی ہے - جس حقیقت کو چھاندوگیہ اونپشد میں اودالک رشی نے اپنے پُتر شویت کیتو پر "برہم" کے اوصاف بیان کرنے کے بعد "تت توم اسی" نامی مہاواکیہ سے ظاہر کیا ہے - کہ "وہ تو ہے" - علاوہ ازیں بمصداق "کُلُّ شَیْئٍ یَرْجِعُ اِلٰی اَصْلِہٖ" بھی یہ حقیقی وحدت کا ہی رشتہ ہے جو کہ انسان کے دل میں ہمیشہ "بقاء دوام - علم کُل اور سرور مطلق" کی خواہشات کی صورت میں حرکت پیدا کرتا رہتا ہے :-

ہر کسے کو دور ماند از اصلِ خویش
باز جوید روزگارِ وصلِ خویش

بہر حال مطلب یہ کہ جسطرح شروع بچپن میں وہ "میں میرے" کے خیال سے مبرّا ہوتا ہے - ویسے ہی اِس آخری حالت میں وہ اپنی ہستی کو برہمانڈ سے ایکتا کے رشتے میں وابستہ کر کے خودی کے خیال سے بالا ہو جاتا ہے - گویا بمصداق "ابتدائے کار جو تھی انتہائے کار بھی" وہ اپنی فطرتی بیخودی کی حالت کو حاصل کرتا ہے جو کہ تن من سے تعلق باندھنے کی صورت میں غیر حقیقی ہونیسے دُکھ کا کارن ہو رہی تھی - پس خودی یا اہنکار کے دُور کرنیسے یہ مراد نہیں کہ انسان خودداری کی سپرٹ کو دُور کر دے - بلکہ غیرت کو کام میں لاتا ہوا - اس "غرور" کی بیخکنی کرے جو کہ مار آستین کیطرح بیجا خودنمائی اور خود پرستی کیصورت میں تکمیل فطرت کا سد راہ ہوتا ہے - گویا جسطرح غلط حرف کے مٹانے کو صحت لفظی قرار دیا جاتا ہے - ویسے ہی انسان میں جو "غلط خودی" قائم ہو کر مہلک

ء "غلط خودی" سے مراد انسان کا لذات حواس یا خودنمائی کے جذبے میں ہی مست رہنا ہے

رسولی کی طرح اس کو خودکشی کیطرف لے جاتی ہے "قومی محبت" کا پیالہ پی کر اس کی جڑ کاٹے۔ اسی کا نام آب حیات یا امرت کا گھونٹ ہے:

پییا چاہے پریم رس راکھا چاہے مان۔
ایک میان میں دو کھڑگ دیکھا سنا نہ کان

افراد اور قوم کا تعلق:۔ کیونکہ افراد سوسائٹی کی مشابہت اعضاء جسمانی کے ساتھ کچھ ایسی موزونیت رکھتی ہے۔ کہ ویدوں کے زمانے سے لیکر بیسویں صدی کے مغربی محققین تک برابر اس کا استعمال کر رہے ہیں۔ وجہ یہ ہے۔ کہ جسطرح ہر ایک عضو جسمانی باوجود اپنے کام (مثلاً جگر صفرا بنانے یا گردے پیشاب پیدا کرنے) میں آزاد ہونے کے نہ صرف اپنے عمل سے جسم کے باقی تمام اعضاء پر ہی خاص اثر رکھتا ہے بلکہ خود بھی ان کے عمل سے موثر ہوتا رہتا ہے (حالانکہ علاوہ تمام اعضاء کے باہمی ایکدوسرے کی موجودگی یا اس عملی نتیجہ سے لاعلمی رکھنے کے اکثر "شخصی آگاہی" کو بھی ان کی موجودگی یا عمل کا علم نہیں ہوتا) ویسے ہی ہر فرد سوسائٹی کا معاملہ ہے۔ یعنے اگرچہ علاوہ "قومی آگاہی" کے (جس کی بظاہر عدم موجودگی کے باعث اُسکا آگاہ ہونا ضروری سمجھا گیا ہے)۔ اکثر اشخاص بھی ایکدوسرے سے ناواقف ہوتے ہیں تاہم نہ صرف ہر شخص کی آزادہ روی کا اثر سماج یا قوم پر ہی ہوتا ہے۔ بلکہ وہ خود بھی اُن کے زیر اثر ہی تکمیل حاصل کر سکتا ہے۔ چنانچہ ایک طرف اگر بلحاظ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۱۔ کیونکہ نہ صرف حواس ہی انسان مکمل نہیں۔ بلکہ خود نمائی کا محرک یعنے اہنکار بھی انسانی فطرت کو اپنے حلقے میں نہیں محدود کرتا۔ گویا انسان "حواس و عقل اور اخلاق و روح چاروں قسم کے قواء کے مجموعے کا نام ہے اسلئے صحیح "خودی" والا صرف وہی ہو سکتا ہے جو کہ ان تمام کی ہم آہنگ نشوونما کرتا یعنے ابھیاس کے ساتھ ہی ویراگ کے سادھن کو بھی جگہ دیتا ہے۔ بقول کیہ: سے پاس اپنے دل کے ہے سیر دلکو بھی دیجے جگہ جو اک خوشی کیچاہئے اک غم اٹھا لیجئے ابھی

"دولت" قومی خوشحالی کا انحصار افراد قوم کی مجموعی اعلےٰ و ادنیٰ حالت
پر دیکھا جاتا ہے تو دوسری طرف بلحاظ "صحت" کے بھی متعدی امراض
ایک سے دوسرے پر اثر انداز ہوکر اس امر کو واضح کرتے ہیں۔ کہ
گو بظاہر افراد علیحدہ ہوں۔ لیکن جسطرح ایک عضو جسمانی کی بیماری
سے دوسرا عضو اثر پذیر ہوکر جسمانی وحدت کا ثبوت بہم پہونچاتا ہے
ویسے ہی ایک شخص کی بیماری دوسروں پر اثر انداز ہوکر اُن کی باہمی
وحدت پر دلالت کرتی ہے۔ علاوہ ازیں باہمی تبادلہ خیالات ہونے سے
ایکدوسرے کی مانسک شکتیوں کا خاص حد تک ترقی پانا اِن کی باہمی وحدت
کا ایک اور ثبوت ہے۔ مطلب مختصر یہ کہ خواہ بلحاظ دھن اور تن کے
دیکھا جائے یا بلحاظ من کے۔ تمام افراد سوسائٹی ایکدوسرے سے
اثر پذیر ہونے کی وجہ سے ویسے ہی ایک "کل" کے اجزا ہیں۔ جیسے
اعضاء جسمانی ایک شخص کے۔ فرق صرف یہ ہے۔ کہ اعضاء جسمانی
کی وحدت بذریعہ خون اور اعصاب کے جلوہ نما ہوتی ہے۔ اور افراد
قوم کی وحدت بذریعہ عناصر خمسہ اور علم و عمل کے :: اِس لئے جسطرح
کسی عضو کا مذموم "خودی" میں مبتلا ہوکر صرف اپنے فوائد کو ہی
ملحوظ رکھنا۔ جسم کو نقصان پہونچانے کے ساتھ خود اِس کی بھی "موت" کا
کا باعث ہوتا ہے۔ (جیسا کہ سرطان وغیرہ مہلک رسولیوں میں دیکھا
جاتا ہے) بلکہ اکثر "شخصی آگاہی" کو اس کی موجودگی کا احساس [illegible] یک
قسم کی بیماری کا مظہر ہوتا ہے۔ ویسے ہی کسی خاص عـ۱ شخص کا حقیقی
خودی سے گر کر اپنی شخصیت کو قوم میں خصوصیت سے "نمایاں" کرنے کا

عـ۱ اِس سے مراد ایسے اشخاص سے ہے۔ جن کا یہ کلام ہو:۔ ؎ نیکی سے ہمیں کام ہمیں نام سے [illegible]
غرض :: بدنام اگر ہونگے تو کیا نام نہ ہوگا :: ورنہ جو لوگ نیکی کرنا اپنا دھرم سمجھتے ہیں۔ اسکی بدولت
شہرت پاتے ہیں ایسے لوگ تو چھپنا بھی چاہیں تو روشنی کے مینار کیطرح سمندر پار سے نظر آجاتے ہیں مگر ایسا
[illegible]

شوق نہ صرف قوم کو نقصان پہونچاتا ہے بلکہ اس کی اپنی بھی تکلیف اور
ہلاکت کا ہی باعث ہوتا ہے۔ کیونکہ جہاں ایکطرف وہ ہر وقت جھوٹی
شہرت وغیرہ سامان "خودی" کے تلاش میں رہنے سے "بد اعتدال" یعنے مریض
شخص کی طرح دنیا میں سُکھ نہیں پاتا۔ اور طمع کے آگ میں رکھنے کی طرح
امتحان کے وقت تمام قلعی کھل جانے سے سخت ندامت اٹھاتا ہے۔
وہاں دوسری طرف خود اختیاری کی منزل تک نہ پہونچنے کی وجہ سے اپنی
تکمیل فطرت میں ناقص رہنے کے باعث ابدی زندگی سے بھی محروم
رہجاتا ہے۔ پس اہل حقیقت کا یہی فرمان قابل قبولیت ہے۔ کہ اس حرص
کی بناء "ناقص خودی" کو جو کہ دھوبی کے کتے کی طرح کبھی گھر اور کبھی گھاٹ
(یعنے کبھی تن اور کبھی من) پر جگہ بناتی پھرتی ہے۔ ان عارضی صورتوں کے
برخلاف تخت حقیقت (مُلکی خودی) پر بٹھا دیا جاوے تاکہ بجائے ڈی۔ او
جی = ڈاگ (Dog) یعنے کتا بننے کے۔ جی۔ او۔ ڈی = گاڈ (God)
یعنے خدا کا روپ دھارن کرنے۔ کیونکہ مغربی علماء کے نقطۂ نگاہ سے
بھی "شخصی نکتی نہیں بلکہ قومی نجات" ہی ہر ایک کا مقصد حقیقی ہونا اس کی تکمیل
فطرت کا باعث ہو سکتا ہے:۔

از راستی است جاے الف درمیان جان — واؤ از کجی ہمیشہ بود درمیان خوان
جس انسان کو سگ دنیا نہ پایا — فرشتہ اس کا ہمپایہ نہ پایا

ترک تعصب:۔ چونکہ "علمی ترقی" کے معنے ہی خیالات کی تبدیلی
کے ہیں۔ اسلئے جو شخص بدیں وجہ کسی کے معقول خیال کو قبول نہیں کرتا
کہ اس کو اپنے خیال سے خاص اُنس ہے۔ ایسا متعصب شخص اپنے
کُنبے تک ہی حلقہ خودی محدود رکھنے والے کیطرح کامیابی کا مُنہ
نہیں دیکھ سکتا۔ غرض یہ ہے کہ جسطرح تجارت کے نقطۂ نگاہ سے
روپیہ کا۔ صحت جسمانی کے خیال سے دوران خون کا۔ قومی ترقی

کے لحاظ سے خیال وحدت کا بند کرنا مہلک ہوتا ہے۔ ویسے ہی باہمی تبادلۂ خیالات نہ کرنا مالک جیون پر مضر اثر رکھتا ہے۔ اس لئے ہر فرد قوم کے لئے نہ صرف ستیہ گیان حاصل کرنے کی غرض سے (مہاراجہ جنک کے "من" کو گورو کشنا دینے کیطرح) تعصب کو ہی چھوڑ دینا چاہیئے بلکہ خود بھی بھگوان وشنو کیطرح گیان کی گنگا چرنوں سے راستے بہا دینی چاہیئے۔ گویا شودروں کو بھی ایسے وروان بنانے کا یتن کرے۔ کہ اگیان روپ پاپ میں پھنسے ہوئے لوگ ان کی سنگت سے شدھ ہو جائیں۔ کیونکہ نہ صرف اس "عام تعلیم" کی بدولت (ال اگر کے بجلی بھاپ وغیرہ خدمات لینے کی طرح) جڑ پدارتھوں سے ہی "دیوتا" کا کام لیا جا سکتا ہے۔ بلکہ سوراجیہ یعنی مکتی کا راستہ بھی اس کے بغیر اور کوئی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سچے گیان کے لینے اور دینے والوں یعنی برہمچاری اور سنیاسی کے سر برہنہ ہونے یعنی چار ترک (۱ ترک دنیا ترک عقبےٰ ترک مولےٰ ترک ترک۔) کی ٹوپی دھارن کرنے کی بمقابلہ تاج شاہی کے زیادہ عزت بیان کی گئی ہے:۔

> بہ گدائی ورت شاہیٔ عالم چہ کنم؟ تاج بخشان جہان اند گدایان چند

منش کی علمی اور عملی حدود:۔ دوسرا امر "ترک خودی" کے متعلقہ قابل اظہار یہ ہے کہ منش کی علمی اور عملی شکتیوں کی حدود کہاں تک ہیں؟ تاکہ کوئی شخص ان سے آگے بڑھنے کا دعوےٰ کرنے بالفاظ دیگر "انسانی" ہونے کا مرتکب نہ ہو۔

"اول تو علمی پہلو میں تو چونکہ بنیادی عناصر حواس کے ہی ذریعے حاصل ہوتے ہیں۔ جن کی رسائی "دیش کال اور وستو" کے تعلقات سے بالا تر نہیں ہوتی۔ اسلئے "نرگن او ستھا" کے گیان کا دعوےٰ ویدوں کے کتھن انوسار صرف "نیتی نیتی" سے ہی ہو سکتا ہے:۔

بھیکھا بات اگم کی کہن سُنن میں ناہہ
جو جانے سو ناہہ کہے ۔ کہے سو جانے ناہہ

برخلاف اس کے مثبت طور پر وحدت حقیقی کے علم کا دعوے کرنا سراسر باطل ہونے سے الجھان کا ہی مظہر ہے ۔ پس نہ صرف اہل ہند کیلئے خود ایسے خیال سے علیحدہ رکر ہمیشہ "علم تعلقات" (سائنس یا اتحاد ثلثہ) کے مطالعہ سے رغبت رکھنی چاہیئے ۔ بلکہ اُن دھوکا دینے والے "گوروؤں" سے بھی عوام کو بچانے کی کوشش کرنی چاہیئے ۔ جو کہ خلاف عقل باتوں کو چالاکی سے بیان کرکے سادہ لوح اشخاص کو اپنے بندۂ بیدام بنا کر ان کی گاڑھے پسینے کی کمائی پر عیش سے دن گذارتے ہیں ۔ دیگر امر یہ ہے کہ ہر شخص کی مسلمہ صداقت بلحاظ اُس کی فطرت یعنے قواء حواس و دماغ اور مشاہدات اور تجربات کے چونکہ ویسی ہی مختلف ہوتی ہے ۔ جیسے جسمانی صورت کا ایک دوسرے سے اختلاف ہوتا ہے اسلئے باوجود اپنے اعتقاد پر مضبوطی سے قائم رہنے کے بھی دوسروں کے عقاید کا مناسب ادب و لحاظ رکھنا ضروری ہے ۔ کیونکہ بالکل مخالفت رکھنے پر بھی ہر شخص اپنی مسلمہ صداقت پر قائم رہنے کا یکساں حق رکھتا ہے ۔

دوم "عملی پہلو میں" "سدھیوں کا حاصل کرنا" اور "فعل بالمختار ہونے کا دعویٰ کرنا" دو امور قابل غور ہیں ۔

سدھیوں کی حقیقت :- چونکہ خود پرستی کے دیوانے "سدھیوں" کی تلاش میں اکثر مصیبتیں اٹھاتے رہتے ہیں ۔ اس لیئے اُن کو معلوم رہنا چاہیئے ۔ کہ اول تو ان کی ماہیت وہی ہے ۔ جو کہ شروع کتاب میں بیان ہو چکی ہے ۔ دیگر بفرض محال اگر کسی شخص میں کسی قسم کی غیر معمولی طاقت پائی بھی جاوے ۔ تو کچھ بڑی بات نہیں کیونکہ

"مسئلۂ ارتقا" (ایمبریالوجی اور کمپیریٹو اناٹومی) کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان میں بہت سے ایسے اعضاء بھی پائے جاتے ہیں جو کہ ادنیٰ درجے کے حیوانات میں تو کار آمد ہیں۔ مگر بصورت انسانی میں بیکار ہیں (جیسے مرد میں پستان وغیرہ) اسلئے اگر ایسے اعضاء جسمانی یا مرکز دماغی (جو کہ حیوانات میں کام دیتے ہیں) انسان میں بھی کام دیتے نظر آئیں تو اگرچہ نٹوں اور سرکس کے تماشاگروں کی طرح (جو کہ بندر کی مانند رسیوں پر پھاندتے یا چلتے ہیں) باعث تعجب تو چاہے ہوں لیکن در اصل اس شخص کی بزرگی کا نہیں۔ بلکہ انسانی شرافت کے نقطۂ نگاہ سے اسکی گراوٹ یا بیماری کا ہی ثبوت دیتے ہیں جیسے ہسٹیریا اور "سمبولزم" میں بعض حیوانی "انسٹنکٹ" جاگ اٹھتی ہیں۔ جو کہ معمولی زندگی میں بعید الفہم ہوتی ہیں۔ کیونکہ زندگی کی جد و جہد میں بہرونی حواس و حرکات کی تیزی حیوانات کا اور دماغی ترقی انسان کا وصف ہے۔ اسلئے اگر کسی شخص کے لئے دیوار کی آڑ میں کسی شے کی موجودگی کا جان لینا ممکن ہو تو در اصل یہ امر اس کے دماغ میں سونگھنے کی حس کی کسی نئی ساخت کا ہی اظہار کرتا ہے جو کہ پوشیدہ رہنے پر بھی شکار کو تلاش کر لیتا ہے گویا اس میں "جیکب سنز آرگن" کا حاسۂ شمہ جو عموماً جنین میں معدوم ہو جاتا ہے۔ دوبارہ نمود پذیر ہو آیا ہے اسی طرح پر کانوں کا ہلا سکنا گھوڑوں کے ہوا میں اڑ سکنا پرندوں کے نر کا دودھ پیدا کرنا کنگرو کے پانی پر چل سکنا بطخ یا مرغابی کے اوصاف کا مظہر ہوتا ہے۔ بشرطیکہ یہ امور بھی واقعی ہوں۔ ورنہ اکثر تو مداری کے شعبدے ہی ہوا کرتے ہیں۔ جن کو جاہل لوگ "سادھی" مان بیٹھتے ہیں۔ مثلاً فاسفورس کی بدولت آگ بھڑکا دینا وغیرہ۔ ایسے ہی مچھلی پانی کی گہرائی اور پرندے یا چیونٹیاں آنے والے موسمی تغیر کو جان لیتے

ہیں - نیز ریچھ وغیرہ جانور مہینوں بغیر کھانے کے سمادھی کی سی صورت
میں سوئے رہتے ہیں - اسلئے ایسی سدھیوں کو ان کے اوصاف
پر محمول کیا جاسکتا ہے - وغیرہ وغیرہ مطلب مختصر یہ کہ جہاں ایک طرف
ایسی طاقتوں کے حصول کے لئے جواہرات کے لالچی کی طرح غیر
مناسب محنت کرنی پڑتی ہے - وہاں فائدہ کچھ بھی نہیں بلکہ الٹا نیچے
گرانے کا باعث ہوتی ہیں - اسلئے بہتر یہی ہے کہ بجائے "سدھی حاصل
کرنے کے "سیدھی" سڑک (جادۂ اعتدال) پر چلا جائے جس سے لقدراحت
اور ابدی زندگی نصیب ہو -

(۲) "فعل بالمختار" ہونے کا وہم:- حالانکہ عام لوگوں کی نگاہ میں
یہ امر واقعی ہے - تاہم اہل معرفت کے خیال میں چونکہ کسی شخص کا
یہ دعوےٰ کرنا کہ وہ جو چاہے سو کرسکتا ہے "ایک قسم کا ابھمان"
یعنے جھوٹا خیال ہے (گیتا ا-۱۸ / ش ۵۹) اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے -
کہ اس دعوے کی اصلیت پر بھی کچھ وچار کیا جاوے:- اس میں
کچھ شک نہیں کہ قوائے جسمانی کے ہیئت یافتہ ہونے پر انسان کسی
حد تک اپنے ارادے کے بموجب کام کرنے پر قادر دیکھا جاتا ہے -
لیکن جب سوال "ارادے" کی آزادی کے متعلقہ ہو تو معاملہ برعکس
نظر آتا ہے - کیونکہ اگرچہ "حقیقت انسانی" اپنی آزادی کا جلوہ
ارادے کی صورت میں دکھاتی ہے - لیکن بغور دیکھیں - تو "ارادہ"
بذات خود بلحاظ "حالات" انسانی کے مجبوری کا مظہر ہے - گویا کسی مخفی
طاقت سے تحریک پاکر ظہور پکڑتا ہے - چنانچہ ایک طرف انگریزی زبان
میں اگر جسمانی فعل کو "ایکشن" اور مانسک حرکت کو "پیشن" کہنا ان
کی حقیقت کے "ایکٹو" (خود اختیاری) اور "پیسو" (غیر اختیاری) ہونے
پر دلالت کرتا ہے تو دوسری طرف سنسکرت زبان میں "سوانتریا"

(ہر ایک کے من کو قابو میں رکھنے والا) لفظ کے معنوں سے بھی صاف ظاہر ہے کہ ہر شخص کا "من" ایک غیر طاقت کے اختیار میں ہے نہ کہ خود مختار۔ چونکہ "فزیالوجی" کے فرمان کے بموجب وہ "مخفی طاقت" سوائے "دماغ کی ساخت" اور اس پر اثر انداز ہونے والے "اندرونی و بیرونی حالات جسمانی" (مثلاً خون کی مقدار و اوصاف۔ جسم کی صحت و مرض کے احساس۔ موسم کی گرمی و روشنی وغیرہ کے درجات) کے اور کچھ نہیں۔ اس لئے جسطرح حیوان بچے شاہ دولے کے چوہے ہے۔ شرابی یا مریض شخص کو "فعل بالمختار" نہیں کہا جا سکتا۔ ویسے ہی دیگر اشخاص کو بھی "مجبور" ہی ماننا چاہیئے گو "درجہ مجبوری" میں فرق ہو سکتا ہے۔ لیکن قسم کا فرق نہیں۔ کیونکہ نہایت اغلب ہے جسکو ہم آزادانہ فعل سمجھتے ہوں وہ دراصل آنتوں میں خوراک کے سڑنے سے جو فینائل الکوہال وغیرہ" زہریں پیدا ہوتی ہیں۔ ان کے جذب ہونے کا نتیجہ ہو جو کہ اگرچہ بظاہر کسی مرض کا باعث نہیں ہوئیں لیکن دماغ جو ایک لطیف ترین عضو ہے اسکو اپنے اثر سے موثر کر چکی ہوں۔ کون نہیں جانتا۔ کہ وہ برے اعمال جن کو اخلاقی نقطۂ نگاہ سے ناپسند کیا جاتا ہے۔ کرنے سے ذلت نصیب ہوگی تاہم کثیر التعداد انکی عامل ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ جسطرح شراب نوشی۔ یا چوری وغیرہ چند بری عادات اپنے عاملوں کے حد اختیار سے باہر سمجھی جا کر مرض "دیوانگی" کی فہرست میں جگہ پا چکی ہیں۔ ویسے ہی تمام اوصاف ذمیمہ کا اظہار اسی سلوک کا مستحق ہے ۔

ممکن ہے کہ سوسائٹی کی موجودہ حالت کے خیال سے اس امر کا اظہار مرغوب الطبع نہ ہو۔ لیکن امر واقع سے چشم پوشی کرنا بھی تو سماجک ترقی کے راستے میں روکاوٹ ہی کا باعث ہوگا۔ اس لئے بجائے اس کے کہ ہر ایک شخص کو "فعل بالمختار" مان کر صرف اوپدیش کر چھوڑنا ہی کافی سمجھا

جاوے۔ کسی حسب منشا اعلےٰ منزل پر پہونچنے کے لئے ضروری ہے
کہ ہر ایک فرد سوسائٹی کو خاص قسم کی غذا اور تعلیم و تربیت وغیرہ مناسب
حالات میں رکھنا لازمی قرار دیا جائے۔ جس اصول پر پراچین بھارت میں
"گوروکل" اور مغربی ممالک میں "لازمی تعلیم" کا رواج ہے :: وہ جسطرح
"سٹرکنیا" خفیف مقدار میں حس و حرکت کی طاقت کو بڑھا دیتا ہے اور زیادتی
خوراک میں باوجود عقلی قوا کی درستی کے بھی عضلانی حرکات کے بے اختیار
پن کو روکنے کے لائق نہیں چھوڑتا۔ یا شراب خود ضبطی کی طاقت کو کمزور
کرکے تیزی طبع کا باعث ہوتی ہے۔ ایسی ہی بیسیوں قسم کی اشیاء بباعث
فزیولاجیکل کیمسٹری کے جسم انسان میں پیدا ہوتی اور جذب ہو کر اپنا اثر
پیدا کرتی رہتی ہیں۔ جن کی نمایاں صورت اختیار کرنے کو صحبت و مرض کے
نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ چونکہ لاکھوں میں سے ایک شخص بھی پورے
طور پر خوراک کے اجزا کی جسم انسان میں ترکیب و تفرید کے وقت اور اس
سے پیدا شدہ مرکبات کے اثر سے علم نہیں رکھتا۔ اسلئے جس طرح حیوانات
عموماً اپنی عقل طبعی سے کام لیتے اور کبھی انسانی صحبت سے فیضیاب ہونے
کی بدولت اعلےٰ اوصاف حاصل کر لیتے ہیں۔ تاہم "بھوگ یونی" یعنے
کرم کرنے میں مجبور کہے جاتے ہیں ویسے ہی کثیر التعداد انسان بھی چونکہ
عام طور پر اپنی "تاثیر تخم" اور "اثر صحبت" کے مجموعی نتیجے کے بموجب
ہی کام کرتے اور وقتاً فوقتاً سلسلہ ترقی میں کسی نئی بات سے وقوف
حاصل کر لیتے ہیں۔ پس کیا وجہ ہے کہ ان کو بھی "بھوگ یونی" یعنے مجبور
بالفعل نہ کہا جاوے۔ بقولیکہ :-

کرے کراوے آپے آپ ‏ ‏ مانس وبہ کے نہیں کچھ ہاتھ

مطلب یہ کہ جسطرح شرابی کو نشے کے زیر اثر ہونے کی وجہ سے "مجبور"
سمجھا جاتا ہے۔ ویسے ہی اکثر اشخاص کے اندر بدہضمی وغیرہ کے باعث

غذا کا خمیر ہو۔ جیسے شراب کی قسم کے مرکبات بنتے اور جذب ہو کر اثر کرتے رہتے ہیں۔ اسلئے کون کہہ سکتا ہے؟ کہ اگر کسی نے کوئی غلطی کی ہے تو وہ بحالت صحت کامل تھی۔ یا اندرونی پیدا شدہ فاسد مادوں کے زیر اثر بن بیٹھے متوالا ہونے کا نتیجہ تھی۔ نیز جس طرح کوئی شخص آنکھیں نہ ہونے کی وجہ سے معذور سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح پر کیا یہ ممکن نہیں کہ مجرم پیدائشی طور پر ہی اعلےٰ قوائے دماغی سے محروم رہا ہو یا ناقص حالت میں رکھتا ہو۔ یا بعد میں کسی وجہ سے کھو بیٹھا ہو؟ جسکی وجہ سے اس کو معذور سمجھا جائے۔ کیونکہ اگر کسی بچے کو بھی کسی شئے کی برائی کا علم ہو جاتا ہے تو اُس کی طرف رغبت نہیں کرتا۔ چہ جائیکہ پیر نا بالغ ہو کر بد اعمالی سے اپنے تئیں مصیبت میں ڈالے؟ جس برائی کا تمام دنیا میں ڈھنڈورا پٹ رہا ہو۔ اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ یا تو اس کو سچا علم نہیں ہوتا یا اس کے اندر کوئی زہر اثر کرتا ہے یا اس کے قوا میں نقص ہوتا ہے (جیسے دماغ کے خاص حصوں کی خرابی گفتگو یا سننے میں نقص پیدا کرتی ہے) سو ہر سہ حالات مجبوری کے مظہر ہیں۔ اب جسطرح بدی کا معاملہ بے اختیاری کا ہے ویسے ہی نیکی کے معاملہ کو بھی مجبوری کہا جا سکتا ہے کیونکہ جیسے بدکار شخص بدی سے باز نہیں آسکتا۔ ویسے ہی نیک شخص اپنے سوبھاؤ کے برخلاف نہیں کر سکتا۔ پس اگر کسی بُرے کام کے عوض میں مجرم کو انتقامیہ سزا دینی نا واجب ہے گویا از روئے ترحم اسکی اصلاح کرنے کی کوشش بہتر عمل ہے تو دوسری طرف کسی اچھے کام پر شخصی اہنکار "کار وغن چڑھانا" جیسے تفخر اور خودی کا اظہار کرنا بھی سراسر غلط اور نا روا ہے۔ کیونکہ مصداق :-

چلا تھا کعبے کی سمت کو میں گیا میکدہ میں تو گذرا ہوں کھلا یہ اُس وقت راز مجھ پر کسی کے میں اختیار میں ہوں

جب کارکن طاقت ہی کوئی دوسری ہے تو انسان کو بطور ایک اوزار کے کام

کرتے ہوئے کیا حق حاصل ہے کہ خواہ مخواہ کا طوق "غلامی" گلے میں ڈالے؟
چونکہ بیرونی نقطۂ نگاہ سے ہر شخص اپنے ملک کی آب و ہوا اور رسم و رواج سے کسی کام کی تحریک پاتا ہے۔ اسلئے حب الوطنی کے جذبے کو اُبھارنے اور اپنے وطن کو ہی درجہ معبود دینے کو نجات کا صحیح راستہ ذہن نشین کرانے کی غرض سے بھگوان کرشن نے بھگوت گیتا کے گیارھویں ادھیائے میں تمام بھارت ورش کو اپنا روپ ظاہر کرکے اٹھارویں ادھیائے کے ۶۵ اور ۶۶ شلوک تک میں ارجن کو اپنی شرن میں آنے کی ہدایت کی ہے گویا ہر فرد سوسائٹی کی خودی اپنے ملک میں ہونی چاہیئے۔ نہ کہ اپنی شخصیت میں۔ بمصداق :- ؎

ترک کر سب ملتیں لے مجھ اکیلے کی پناہ بنا پھر میرا ذمہ ہے ارجن تیرا بیڑا پار ہے

علاوہ ازیں جسطرح کشش زمین کی بیڑی تمام اشخاص کے پاؤں میں پڑ کر کولھو کے بیل کی طرح خاص حلقے میں حرکات کرتے رہنے پر بھی آزادی کا حق نہیں دیتی۔ ویسے ہی "سچدانند" کی پراپتی کی خواہش کی موجودگی میں جو کہ ہر شخص کے سر پر "مانسک نیم" کا ڈنڈا لئے رہتی ہے کس طرح کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ وہ کرم کرنے میں مختار ہے؟ یہی وجہ ہے کہ جسطرح طبعی و کیمیائی قوانین کے جاننے والے مادی اشیاء کو حسب منشا بنا کر ان سے کام لیتے ہیں ویسے ہی مانسک ودیا کے ماہر خاص قسم کی تعلیم و تربیت سے بچوں کے دماغوں کو خاص سانچے میں ڈھالتے ہیں جو کہ بصورت دیگر جڑ بدار بھتوں کی طرح خود بخود حالات زمانہ کے زیر اثر ڈھلتا رہتا ہے جس طرح کی سوسائٹی میں رہنے اور جس قسم کی زبان سیکھنے کا موقع ملا۔ اسی کے بموجب ہو گیا۔ گویا جسطرح مرطوب ہوا میں رہنے سے لوہے کو زنگ لگتا ہے یا حرارت سے برف پگھل پڑتی ہے۔ ویسے ہی قدرتی بناوٹ کے لحاظ سے اعصاب حس و حرکت کی بدولت "ریفلکس" فعل کی موجودگی کے باعث کوتاہ

اندیش جانور واد سے چلنے کا موقع پاکر یا معمولی انسان جذبات حسی کی سیری کا سامان دیکھ کر متحرک ہوتا اور مصائب کا شکار بنتا ہے۔ اگر خوش قسمتی سے اعلےٰ سوسائٹی کے زیر اثر آگیا۔ تو حس حرکت کی کمال درجہ کی تیزی نے اعلیٰ درجہ کی عقل و جذبات و ارادت کی صورت اختیار کر لی جن کی ہم آہنگی سے "فعل بالمختار" ہونے کی حس نمودار ہوگئی۔ (جس طرح کسی کتاب کا نفس مضمون حروف ابجی کو پیچیدہ طور پر ملانے کا نتیجہ ہوتا ہے۔) ورنہ وحشی جانوروں کا سا عالم تو قسمت میں لکھا ہی ہوتا ہے۔ جیسا کہ امریکہ یا آسٹریلیا کی پرانی آبادی سے ظاہر ہوتا ہے۔ بدیں وجوہات کوئی صورت معلوم نہیں ہوتی۔ کہ انسان "فعل بالمختار" ہونے کی خودی کی زنجیر میں جکڑا جاکر خواہ مخواہ کی مصیبت اٹھائے۔ اسی اصول کو مدنظر رکھ کر گیتا میں بار بار کہا گیا ہے۔ کہ انسان کو بیخود ہو کر اپنی فطرت کے بموجب کرم کرتے جانا چاہیئے۔ نتیجہ "بلحاظ حالات" جو بھی آجائے۔ وہی واہ واہ۔ تنزلوں کی ہاتھ (طبعی۔ اخلاقی اور عقلی قوا) کا مالک بننے کے لئے صرف یہی ایک راستہ ہے۔ کہ ہر شخص بجائے اپنے جسم کے اپنے ملک میں خودی قائم کرنے کا ابھیاس کرے:۔

ہم چل ہیں ہم چل ہیں نا ہیں ہم نیرے ہم دور: ہم ہی سب کے اندر جانن ہم ہی باہر نور

شخصی "روح" کا موہوم خیال:۔

آخری امر "ترک خودی" کے متعلق روح کی جسم سے "علیحدہ ہستی" کے موہوم خیال کو مٹانا ہے۔ تاکہ ظاہری اختلافات جسمانی میں باطنی وحدت کو انبھو کرکے ہر شخص باہمی رشتہ اتحاد کو مضبوطی دے اور حسد و نفرت کو ایکتا کی اگنی میں جلا کر پوترتا اور سکھ کا جیون بسر کرے۔ شیخ سعدی صاحب فرماتے ہیں:۔ ؎

بنی آدم اعضائے یکدیگر اند　　که در آفرینش ز یک جوہر اند

ع۱ اس مضمون سے غرض یہ امر ذہن نشین کرانا ہے کہ آتما کے تین مظہرات۔ بقیہ نوٹ دیکھو صفحہ ۱۳۵

چو عضوے بدرد آورد روزگار — دگر عضوہا را نماند قرار

چونکہ جسطرح "ایم۔ اے" کلاس میں داخل ہونے سے پیشتر "بی۔ اے" تک
کی تعلیم حاصل ہونا ضروری ہے۔ ویسے ہی "میٹا فزکس" یعنے روحانی مضامین
بھی تب ہی سمجھ میں آ سکتے ہیں۔ جبکہ "فزکس" یعنے علوم طبعی کی بنیادی سچائیوں
سے واقفیت ہو۔ اسلئے اصلی مضمون کے اظہار سے پہلے ہم بھی ناظرین کی
توجہ کائنات کے اِن بنیادی اصولوں کی طرف ہی کھینچتے ہیں جن سے کہ
باوجود چار صورتوں (سالِڈ = ٹھوس۔ لیکوئڈ = سیّال۔ گیشی اس = ہوائی
ریڈیو ایکٹو = نورانی) میں منتقل ہو سکنے کے "بقاء مادہ" اور بہت سی
صورتوں (کشش ثقل۔ گرمی۔ بجلی۔ مقناطیسی۔ روشنی۔ آواز۔ حس و
حرکت۔ عقل و ہوش۔ جذبات و ارادہ وغیرہ) میں تغیر پذیر ہو سکنے کے "بقاء
قوت" ایکدوسرے سے علیحدہ نہ ہو سکنے کے قابل اشیاء تسلیم کی گئی ہیں
تاکہ ہر شخص بآسانی سمجھ سکے۔ کہ یہی وجہ ہے جو ہم کو اس لامحدود "ہستی"
کی بیرونی موجودگی کا خیال "دیش" (پھیلاؤ) اور اُس کی اندرونی حرکات
کا خیال "کال" (تواتر) کی صورت میں اِس ڈھنگ پر محسوس ہوتا ہے
کہ ہم اِن میں سے کسی کی عدم موجودگی کو خیال میں بھی نہیں لا سکتے۔
گویا دیش۔ کال اور وستو ایک عجیب صورت میں "وحدت حقیقی" کے
مظہرات ہیں۔ اُس وحدت حقیقی نے کسطرح سے آغاز عالم کے وقت ایتھر
اور مادہ کی صورت اختیار کی؟ یا نیبولر تھیوری" کے بموجب کسطرح بتدریج
جمادات۔ نباتات اور حیوانات کا ظہور ہوا؟ اِن سوالات کے جواب
طویل ہونیسے نظرانداز کرتے ہوئے ہم انسانی صورت کے نمود پذیر
ہونے کے بعد میں کھوج لگاتے ہیں۔ تو پتہ لگتا ہے۔ کہ شروع دنیا
میں روح کا خیال زندہ اشخاص کی اِن حرکات سے ہوا جو کہ مردہ میں
نہیں پائی جاتیں۔ مثلاً نبض۔ تنفس۔ بول چال وغیرہ چونکہ حرکت کی

اصلی وجہ سمجھ میں نہیں آتی تھی اس لئے بہتے پانی۔ متحرک شعلے۔ چلتی ہوا
آتش فشاں پہاڑوں۔ چاند۔ سورج اور سیاروں وغیرہ میں بھی خاص ...
روحوں (دیوتاؤں) کی ہستی تسلیم کر لی گئی ہے۔ عالم خواب نے "دوسری"
ہستی کو جسم میں تسلیم کرانے کیلئے خاص تصدیق کی۔ بعض اصحاب نے
دماغ اور دل میں علیحدہ علیحدہ روح فرض کی۔ بلکہ گیلن صاحب نے
تین قسم کی روح کا قیاس کیا (۱) جگر میں (نباتاتی روح) (۲) قلب میں
(حیوانی روح) (۳) دماغ میں (انسانی روح) اسی صاحب نے
پھیپھڑوں میں خون کی صفائی ہوتی دیکھ کر "نیوما" نامی روح کے اس
راستے داخل ہونے کی پیشگوئی بھی کی تھی۔ جو کہ ۱۵ سو سال کے بعد
"آکسیجن" کے نام سے ظاہر ہوئی۔ اسی طرح جوں جوں وقت گذرتا گیا
علمی تحقیقات میں ترقی ہونیسے خیالات میں انقلاب ہوتا رہا۔ اگرچہ دل
کے "پمپ انجن" کیطرح کام کرنے اور نظام عصبی کے ہوش و حواس کا
آلہ ہونے کے ثبوت بہم پہنچنے پر روحانی کثرت کا خیال تو غلط ثابت
ہوگیا۔ لیکن اکثر اصحاب کے خیال میں کیمیائی و طبعی طاقتوں کے علاوہ
کسی ایسی "دوسری شکتی" کی ہستی کا یقین رہا۔ جو کہ "ان آرگینک"

بقیہ نوٹ صفحہ ۵۳:۔ میں سے جسطرح "سیل" کی روح طبعی شکتیوں سے وکاس پا
کر انسانی روح کی صورت میں نمایاں ہوتی ہے۔ ویسے ہی "افراد" کی روح ارادی
طاقتوں سے "سماجک" روح کی صورت میں وحدت کا نظارہ دکھلاتی ہے چونکہ جدو
جہد ہستی میں آجکل مقابلہ قوموں کا ہے اسلئے جسطرح ادنے درجے کے جیو منش
کے مقابلے میں کامیاب نہیں ہو سکتے ویسے ہی شخصی روح کا ایمان رکھنے والے قوم
پرستوں کے مقابلے میں عہدہ برا نہیں ہو سکتے۔ گویا زندگی صرف وحدت پرستوں
کا حصہ ہے اور موت جسم روپی بت پرستوں کا "موتو قبل ان تموتو:۔ رتبہ شمشیر را از یکیا
دو کردن بیش نیست :: عشق را نازم کہ تیغ او دو را یک میکند ::

دنیا میں معدوم ہے۔ گویا ان کا یہ خیال تھا۔ کہ اگرچہ دل کا فعل مشین
کی طرح اور ہاضمہ اور تنفس کا فعل کیمیائی عمل سے ہوتا ہے۔ لیکن عضلات
و اعصاب کا فعل بغیر کسی "بالاتر طاقت" کے نہیں ہو سکتا۔ اس خیال
کی جگہ "کیمیر شیو فزیالوجی" کے مطالعہ نے کاٹی۔ جس کی بنیاد ایک موچی کے
لڑکے جانس مولر نامی (برلن۔ ۱۸۰۱ء) نے رکھی۔ اس نے حتی الامکان
"سیل" سے انسان تک ہر ایک عضو اور فعل کا مقابلہ زندہ سے مردے
کا اور تندرست سے مریض کا کیا۔ اس سے اس کا روح کا خیال طبعی
و کیمیائی قوانین کی حدود میں آگیا۔ اسی کے شاگردوں نے ۱۸۳۸ء میں
"سیل تھیوری" کی بنیاد رکھی۔ یعنے "سیل" نامی چھوٹی چھوٹی تھیلیاں
یا خانے ہی ساختوں کے بنانے والے اور آزاد زندگی رکھنے والے
ہیں۔ اور اووم و سپرمیٹوزوا ایک قسم کے "سیل" ہی ہیں جو کہ استری
پورش کے بیج و بیرج میں پائے جاتے ہیں۔ بعدہ ۱۸۵۹ء میں ثابت
ہوا۔ کہ ایک "عصبی سیل" کا جسم رکھنے والے جاندار مادے "پروٹسٹی" نامی
کی دماغی حالت اس پل کا کام دیتی ہے۔ جو کہ "ان آرگینک نیچر" کے
کیمیائی عمل کو انسانی دماغ سے وابستہ کرتا ہے۔ ورچو صاحب نے
"سیل تھیوری" کو "علم الامراض" (پیتھالوجی) پر عاید کیا۔ یعنے "سیلز"
کی صورت بدلنے اور ساخت میں فرق آنے کی ماہیت کا اظہار کیا
اور بتلایا کہ نہ صرف تندرستی ہی میں انسان طبعی و کیمیائی قوانین کے زیر اثر
رہتا ہے۔ بلکہ بیماری بھی انہی قوانین کا نتیجہ ہوتی ہے نہ کہ کسی دیوتا یا بھوت
وغیرہ کی بدولت جیسا کہ اکثر جاہلوں کا خیال ہے۔ "علم جنین" (ایمبریالوجی)
کے مطالعہ نے "ایک سیل" کی دوگونہ تقسیم ہو ہو کر انسانی بچے کی تکمیل کا

(۱) "جرم سیل" کی پیچیدگی کا اندازہ کیمیائی نقطۂ نگاہ سے یوں ہو سکتا ہے کہ پانچ ہزار "اٹم" سے ایک زندہ
"مالیکیول" بنتا ہے۔ ایسے ۲۶ ہزار مالیکیول ایک جگہ "سیل" بناتے ہیں جس سے ۲۸ ہزار گونہ جرم سیل [illegible]

راز فاش کیا۔ اور بتایا۔ کہ کسطرح ایک ہی "سیل" سے مختلف ساختیں مختلف حالات
بیرونی میں آنے اور تقسیم محنت کا نتیجہ ہوتی ہیں اور کسطرح "کیمیائی کشش"
(ایفینٹی) کی مانند سپرمیٹوزوا نامی سیل اووم کو چھید کر اُس سے ایکتا حاصل
کرتا ہے۔ گویا وہ زندہ "سیلز" کے ملاپ سے ترکیب پانے کی بدولت
انسانی "روح" کا مرکب ہونا ثابت ہوا اور "بلاسٹومیرز" سے بونے بنائے
جانا ممکن ہونے سے "روح" کے ٹکڑے ہو سکنے کا سوال اٹھایا۔ پروفیسر
لوئب نے اگر ایک طرف بغیر "سپرم سیل" کو ملنے کا موقع دینے کے "اووم"
سے خاص قسم کے نمکین عرق میں رکھنے پر مینڈک وغیرہ پیدا کر لئے۔ تو
دوسری طرف درختوں کی شاخوں کے کاٹ کر لگانے کی طرح "ہائیڈرا"
نامی جانور کے کٹے ہوئے حصوں کا پورے جانور کی صورت میں نشوونما
پانے سے "روح" کی رہی سہی حقیقت "زوآلوجی" نے اچھی طرح روشن
کر دی۔ الغرض نتیجہ یہ نکلا۔ کہ جسطرح دیگر مادی مرکبات اپنے خاص خواص
کا اظہار کرتے ہیں یا مختلف اعضاء جسمانی کے "سیلز" کے افعال مختلف
صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ جیسے خون کے سفید دانوں (لیکوسائٹس)
کا عمل "آپسونک انڈیکس" میں دیکھا جاتا ہے یا بعض اعضاء کو جسم سے نکال
نمکین عرق میں رکھ کر ان کے عمل کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ ویسے ہی مانسک
شکتیوں کے اظہار کا انحصار بھی دماغ کے خاص سیلز پر ہی ہے جو کہ
جسم کے دیگر اعضاء کی طرح ابتدائی "سیل" سے ہی ظہور پکڑتے ہیں۔
بدیں وجوہات صاف ظاہر ہے۔ کہ جسم سے روح کی علیحدہ ہستی کوئی
نہیں۔ بلکہ ر ن سروپ آزاد مطلق وحدت حقیقی جو کہ شجر کائنات کے
بیج کی طرح ادنےٰ درجات میں مخفی سی ہو رہی تھی۔ ارتقا کے سلسلے میں
کمال حاصل کرنے پر من کے آئینے میں بصورت "حقیقت انسانی"...
منعکس ہو رہی ہے۔ باینہمہ یہ امر قابل توجہ ہے کہ ذات حق نہ کبھی مخفی

ہوتی ہے نہ نمایاں۔ بلکہ جسطرح کسی برقع میں سوراخ کا کم و بیش ہونا برقع پوش کے بدن کو گھٹا بڑھا کر ظاہر کرتا ہے۔ ویسے ہی تغیر مظہرات صرف اشکال کی بدولت ہیں۔ "حقیقت" لاتبدل ہے۔ بقول لیکہ:۔

تلسی سنگت نیچ کی آن بجھڑے تت کال ؛ پانی گھڑی جرات ہے ار کھات گھڑیال

گویا تمام اختلافات ذات حق کے سایہ صفت (مایا) ہیں مگر عوام کو بچوں کی طرح روکپ بھیانک "خیالات سے اتنا انس ہو رہا ہے۔ کہ بہشت و دوزخ یا قیامت وغیرہ کے خیالات کو لگانے اور ان کی جگہ "سمجھا رکھنا" یعنے اہل حقیقت کے مسائل کو قبول کرنے میں ایسی سخت مشکل کا سامنا محسوس کرتے ہیں کہ گویا منبع اخلاق صرف "یقین خودی" ہی ہے ؛ چاہے عملی طور پر یہ یقین کتنا ہی مضر نتائج بخش اور جھگڑوں کا باعث کیوں نہ ہو۔ اور زبان سے ماننے والے دل سے خواہ کتنی ہی کیوں نہ اس سے لاپرواہی کا اظہار کریں ؟ بقول لیکہ:۔

مے پی تو سہی تو بھی سو جائیگی واعظ ۔ کمبخت قیامت ابھی آئی نہیں جاتی

مگر یہ ہیں۔ کہ تمام کوششوں کی کامیابی بجائے "بیخودی" (بھارت یا بے تمیز خودی) کا ابھیاس کرنے کے "جسمانی خودی کا وہم" پختہ کرنے میں سمجھے ہوئے ہیں اور دراصل ہو بھی کیوں نہ ؟ جب سائنس کی ... صداقتیں ظاہر کرنے میں گلیلیو وغیرہ کو شہادت دینی پڑی ہے تو مسائل عرفان کے اظہار میں منصور کو دار پر کھینچے جانے کا کیا گلہ ہو سکتا ہے؟ اکثر ہمیشہ سے ہی دیوتاؤں کی مخالفت کیا کرتے ہیں۔ زندگی بذات خود "یدھ" کا نام ہے۔ جسم کو "کورکشیتر" تسلیم کرنے سے ہی بھگوت گیتا کی تعلیم صحیح طور پر ذہن نشین ہو سکتی ہے ؛ المختصر حقیقت حال یہ ہے

۱؎ اسی اصول کے ماننے والے اصحاب کی جماعت سنیاسیوں میں "بھارتی" کے نام سے مشہور ہے۔ ارجن اور کرشن کا ایک دوسرے کو "بھارت" کے نام سے مخاطب کرنا بھی اسی امر کا مظہر ہے۔

کہ جس طرح علمِ ہندسہ کی اکائی تمام پیچیدہ مسائل حساب کا حل اپنے اندر مخفی رکھتی ہے۔ ویسے ہی اعلیٰ ترین مظہراتِ روحانی قوانینِ مادہ و حرکت کی پیچیدگی کا نتیجہ ہیں جو کہ وحدتِ حقیقی سے اظہار پکڑتے ہیں:۔

یکتائی دولت میں میری ہزاروں رنگ ہیں پیدا نزے کرتا ہوں میں کیا کیا اہا ہا اہو ہو ہو

جس طرح لوہے کو زنگ لگنا وغیرہ مظاہرات اس امر پر دلالت کرتے ہیں۔ کہ ہر ایک شے اپنے حالات گرد و نواح سے موثر ہوتی رہتی ہے۔ ویسے ہی مظہراتِ زندگی کا "میٹابولزم" پر منحصر ہونا اس امر کی تصدیق کرتا ہے کہ گو صورتیں مختلف ہوں۔ لیکن "اری ٹیبلیٹی" "ریفلکس" حرکات۔ احساس "انسٹنکٹ" (عقل حیوانی) اور "ریزن" (عقل انسانی) وغیرہ تمام سلسلہ وار ترقی کے ہی درجات ہیں جو کہ مرکبات کی پیچیدگی سے ان کے خواص طبعی کی صورت میں ظہور پکڑتے ہیں یہی وجہ ہے۔ کہ جہاں ایک طرف "اہل علم" اس "دعویٰ خودی" کی غلطی کو دور کرنے پر زور سے توجہ دلاتے رہتے ہیں۔ بقول کسیکہ:۔

تم کو اتنا مٹا کہ تو نہ رہے — اور تجھ میں دوئی کی بو نہ رہے

دیگر

بندگی اور حق پرستی کچھ نہ ہونا ہے نیاز ۔ کچھ نہ ہونے کے سوا اور حق پرستی کچھ نہیں
یہ جو کچھ ہونا ہوانا کہتے ہیں سارے سیانے ۔ فقر میں ہستی یہی ہے اور ہستی کچھ نہیں

دیگر

آپ ہی آپ ہوں یہاں غیر کا کچھ کام نہیں — ذاتِ مطلق میں میری روپ نہیں نام نہیں

تو دوسری طرف "اہل عمل" نے بھی تجربات کی کسوٹی پر رکھ کر کھوٹے روپیہ کی طرح اس "خودی" کے مظہرات "خود نمائی" اور "خود غرضی" کو ترک کرنے کی ہی صورت میں حصول کامیابی کو ممکن ظاہر کیا ہے۔ کیونکہ نہ صرف یہ "میں" کا خیال مسئلہ اتحاد کی جڑ کاٹ کر مختلف قسم کی غلط کاریوں سے

ہی کل کو جزو پر قربان کرنے کا باعث ہوتا اور "انڈائریکٹ" طور پر اپنی
ہلاکت کا موجب بنتا ہے بلکہ راستبازی۔ پریم فرشتہ سیرتی۔ میدان جنگ
میں شجاعت اور میدان علم میں ذکاوت وغیرہ اعلیٰ اوصاف کا اظہار
بھی انہی اصحاب سے ہوتا ہے جو کہ اس غلط فہمی سے بالاتر ہو کر بیخودی
کی منزل میں قیام پاتے اور اعضاء باطن کی طرح بغیر اپنا احساس کرانے
کے مشترک مدعا کی تکمیل کے لئے کام کئے جاتے ہیں اسی مغالطہ خودی
کا نام "اودھیاس" ہے۔ جس کے لئے کہا گیا ہے:۔ کنڈلیہ:۔ ۔ ۵

دسواں گرہ اودھیاس ہے گورکھ کا جو مول — جب لگ یہ اودھیاس ہے تب لگ مٹے نہ شول
تب لگ مٹے نہ شول کرے کیتی چترائی — دیو جیسے جپ جپے نہیں کوئی ہوت سہائی
کہے گردھر کوی رائے گیان ورتھ دیکھ — مول اودیا ناش ہوئے گرو رہے نہ دسواں

پس سچے آنند اور موکش کی پراپتی کا سادھن ہونے سے اس "میں" کے
محدود خیال کو لامحدود بنانا یعنے "عصبانیت" سے اٹھا کر "بحر قومیت"
میں حل کرنا ہی سچا مانسک ویراگ ہے۔ اسی کی بدولت ہر طرف "ہمہ اوست"
کا جلوہ نما ہونا ممکن ہے۔ بقولیکہ:۔ ۔ ۵

جدھر دیکھتا ہوں جہاں دیکھتا ہوں — میں اپنی ہی تاب اور شاں دیکھتا ہوں

نوٹ:۔ ممکن ہے۔ مندرجہ بالا مضمون کے مطالعہ سے ناظرین کے
دل میں چند ایک سوالات پیدا ہوں اسلئے بنظر پیش بندی ان کی تسلی
کے لئے دو ضروری سوالوں کے جواب ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:۔

(۱) جب فعل میں آزادی ہی نہیں۔ تو کرموں کا پھل کیونکر مل سکتا ہے؟ اگرچہ
انسانی قانون خود غرضی پر مبنی ہونے کے باعث کئی قسم کی غلطی کر سکتا
لیکن قدرتی قانون چونکہ اٹل ہے۔ اسلئے بلحاظ جزا و سزا کے اس میں
کسی قسم کی غلطی کا احتمال نہیں ہو سکتا۔ آپ دیکھتے ہیں کہ خواہ جان
بوجھ کر آگ میں ہاتھ ڈالو یا انجان پن سے۔ نتیجہ بہرحال یکساں

ہوتا ہے۔ ایسے ہی خواہ حیوان آگ میں گرے یا انسان۔ بلحاظ نتیجے کے معاملہ واحد ہے۔ ہاں البتہ ہر شے کے اختلاف فطرت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ انسان کو نسبتاً اعلےٰ درجے کی قابلیت حاصل ہے جس کی بدولت یہ خاص حد تک "آزاد" ہو سکتا ہے۔ مگر عام طور پر نہ تو صرف "حالت مجبوری" (جو کہ اکثر خود اختیاری امر ہوتا ہے) کی طرح لاعلمی۔ خوف۔ خواہشات جذبات اور عادات وغیرہ ہی اس کی فطرتی آزادی کے سد راہ ہوتی ہیں بلکہ سماجک رسوم اور ملکی قوانین بھی اس میں سخت مخل ہوتے ہیں۔ اسی لئے کہا گیا ہے۔ کہ "اگرچہ بچہ اپنے جسمانی خط و خال کے لحاظ سے اپنے والدین کی اولاد کہا جا سکتا ہے۔ لیکن بلحاظ مانسک حالت (انسانیت) کے وہ ہمیشہ اپنے وقت یعنے حالات زمانہ کی اولاد ہوتا ہے۔ معترض صاحب موجودہ گورنمنٹ کے قوانین (متعلقہ پریس۔ پلیٹ فارم یا سازش وغیرہ) کو ہی مدنظر رکھ کر دیکھ سکتے ہیں کہ اہل ہند کے خیال قول اور فعل کی آزادی کا کیا عالم ہے؟ مطلب یہ ہے کہ بہت تھوڑے ایسے صاحب الوالعزم اشخاص ہیں۔ جو کہ "دریائے دنیا" (سنسار ساگر) میں تیرنے کی تکلیف اوٹھاتے اور اپنے مجوزہ مقصد کی طرف چلتے ہیں۔ ورنہ عام طور پر تو ہر ایک بہنا ہی پایا جاتا ہے۔ حالات زمانہ کے تھپیڑے جدھر چاہتے ہیں اودھر لے جاتے ہیں۔ ع

زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز

بدیں وجوہات ہر شخص کو آزادی اور مجبوری کے اعتدال کا خیال رکھتے ہوئے جہاں اپنے تئیں ہمیشہ حالات مجبوری سے نکالنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ وہاں دوسروں کے عمل پر حملہ کرتے وقت ان کی "مجبوری" کو فراموش نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ باہمی جھگڑوں کی بنیاد

عموماً اسی اصول کی ناواقفی ہوتی ہے :-

جیسی جاکو بدھ ہے تیسی کہے بتائے | واکا کلہ نہ کیجئے لین کہاں سے جائے

دیگر

دو عاقل را نباشد کین و پیکار | نہ دانائے ستیزد با سبکسار
وگر در ہر دو جانب جاہلانند | اگر زنجیر باشد بگسلانند

اسی حقیقت کو مد نظر رکھ کر ہر ایک مذہب میں دوسرے کی غلطیوں کو معاف کرنے کی ہدایت کی گئی ہے :-

در عفو لذتے ست کہ در انتقام نیست

علاوہ ازیں اگرچہ "آزادی" انسان کا قدرتی "حق" ہو لیکن اس کا "حصول" محنت سے ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر ہر شخص "آزاد" ہی ہوتا۔ تو شاستر کار "مکتی حاصل کرنے کے سادھن ہی کیوں لکھتے" جس سے صاف ثابت ہے کہ آزادی انسان کا معراج ہے نہ کہ اسکی موجودہ حالت۔ کون نہیں جانتا کہ ہندوستانی عورتوں کی "آزادی" (فعل بالمختار ہونا) ارسطو کے زمانے کے غلاموں کی سی ہے۔ جن کی نسبت وہ لکھتا ہے "کہ غلاموں کیلئے کسی قسم کے ارادے کی آزادی بھی ممکن نہیں ہے"۔ نیش کرم کرنے میں آزاد نہ ہونے کو ہی مد نظر رکھ کر گیتا $\frac{\text{ادھیائے ۳}}{\text{شلوک ۲۷}}$ میں کہا گیا ہے :-

مایا کے گن کرت ہیں سبھی کرم یہ جان | اہنکار آتم مُوڑھ سمجھت آپن کو مان

یہی ایک طرف اپنے اندر "آزاد ارادے کا احساس" اور دوسری طرف اپنی مجبوری کا اظہار" (جو کہ اجتماع ضدین ہونیسے "انرو چنی مایا" کا لکشن ہے) مسئلہ تدبیر و تقدیر کی بنیاد ہے۔ جس کے مناسب طور پر کام میں لانیسے خاطر خواہ کامیابی نصیب ہو سکتی ہے :

(۲) جب شخصی روح کی جسم سے علیحدہ کوئی حقیقت ہی نہیں تو چونکہ اعتدال ... اتحاد

ضروریات زندگی میں اعلےٰ درجہ رکھتی ہیں۔ اور پہلے دو رسالوں میں صرف
انہی کا بیان درج کرنے کا اقرار بھی کیا جا چکا ہے۔ اسلئے "حالات بعد از
مرگ" کے متعلقہ بالتفصیل بیان کو اسی سلسلے کی تیسری کتاب "فلسفہ نجات"
پر چھوڑ کر مختصراً یہ عرض ہے کہ اگرچہ جاتی۔ آیو اور بھوگ کی پیدائش ہی
تفریق (پراربدھ جس سے شروع کیا جائے) اور "عقل حیوانی" کی موجودگی
(جو کہ دراصل "ارادی افعال" کا ہی نتیجہ بصورت "اِنوولیوشن" ہوتا ہے)
کو دیکھنے سے خاص حد تک عقل بھی "آواگون" کے حق میں گواہی دیتی ہے
لیکن دراصل ایسے امور کا تسلیم کرنا "الہام" پر ایمان لانے یعنی بشواس*
شکتی کے پیدا ہونے پر ہی منحصر ہوتا ہے۔ جہانتک کہ عقل انسانی کی رسائی
نہیں ہو سکتی۔ (جیسا کہ اگلے باب کے مطالعہ سے ظاہر ہوگا)۔ اسلئے تو دو چک
اور بھیانک "خیالات کا خول اتار کر۔ بقول شاعر :- ؎

نہ پھر عدم سے جو چل بسے۔ سفر آخر کی خبر کسے
نہ عذاب ہے نہ ثواب ہے یہ ہیں سب یہیں کے مباحثے

مندرجہ بالا مضمون میں صرف "پراربدھ" (سائنٹیفک "جاتی") کا ہی اظہار کیا گیا
ہے ۔ ورنہ یوں تو جسطرح "اٹیم" (کیمیائی ذرہ) اپنی حقیقی ہستی نہ رکھتا ہوا
بھی جبتک "نامعلوم" حالات کے زیر اثر "الیکٹرون" کی صورت میں نہیں
ٹوٹ جاتا۔ کیمیائی عمل میں برابر ایک مرکب سے جدا ہو کر دوسرے مرکب
کا جزو بنتا رہتا ہے۔ ویسے ہی روح کی جسم سے علیحدہ ہستی نہ رکھنے کی

---

* جس طرح اس کتاب کے ناظرین میں سے کسی ایک کو کوئی شخص بیرونی دباؤ یا خوف سے یہ
کہنے کے لئے مجبور کر سکتا ہے کہ "مینے فلسفہ اعتدال نہیں دیکھا" لیکن دل سے اس
کے دیکھنے کے یقین کو نہیں مٹا سکتا۔ ویسے ہی جب "بشواس" کی آنکھ کھلتی ہے تو انسان
عقل سے بالاتر امور کی ہستی کو اسی زور سے یقین کرتا ہے۔ اس لئے بشواس شکتی
سے مراد ایسی حس کے ظہور سے ہے۔ جو کہ عقل سے بالاتر امور (آتما وغیرہ)
کو انبھو کرتی ہے ۔

صورت میں بھی یہ ممکن ہے۔ کہ "انسانی خودی" جب تک نشکام کرم یعنے پریم اور گیان کی بدولت ذات حق میں تحلیل نہ پائے۔ اپنی آخری حالت (مانسک باسناؤں کے مجموعی نتیجے) کے زیر اثر مثل "عالم خواب" کے روپ بدلنے کی طرح آواگون کے چکر میں مبتلا رہے۔ کیونکہ اگرچہ "ایوولیوشن" کے سرسری مطالعے سے یہ نتیجہ ظاہر ہوتا ہے کہ جسم کثیف کی تکمیل کے ساتھ ہی قولدو باغی ترقی پاتے ہیں گویا "فی الذکر کا باعث اول الذکر" ہے لیکن گہری نگاہ سے دیکھا جائے تو چونکہ اندرونی حرکت کی بدولت ہی بیرونی اعضاء میں تحریک پیدا ہوتی پائی جاتی ہے اور اسی کی بدولت یہ اعضاء اپنی ساختوں اور افعال کی پیچیدگی حاصل کرتے ہیں۔ اس لئے اس کے برخلاف یہ یقین کرنا پڑتا ہے کہ جسم کثیف کی ترقی نتیجہ ہے اور اندرونی شکتی یعنی آتما اس کا کارن ہے گویا دراصل جسم ہی روح کا ظہور ہے نہ کہ روح جسم کا۔ جیسا کہ مادہ پرستوں کا عقیدہ ہے اس لئے جسطرح یہ جسم اس شکتی نے حاصل کیا ہے۔ ویسے ہی بلحاظ درجات وکاش کے وہ اور انیک جسم دھارن کر سکتی ہے پس انسان کا فرض صرف یہی ہے کہ وہ کمال حاصل کرنے کی غرض سے نشکام کرم کرنے میں مصروف رہے۔ یہی مہاتما بدھ اور بھگوان کرشن کی تعلیم کا نچوڑ ہے "نیکی کر اور دریا میں ڈال" ۔

علاوہ ازیں منش کے آتما کا صرف کال کے لحاظ سے لامحدود ماننا (یعنے بلحاظ دیش کے محدود سمجھنا) دراصل واقعات سے آنکھ بند کر کے وہم پرستی کرنے پر ہی دلالت کرتا ہے کیونکہ جہاں ایک طرف اعضاء جسمانی کے تعلق کی طرح شخصی ترقی کا انحصار سماجک ترقی پر پرتیکش دیکھنے میں آتا ہے گویا بلحاظ دیش کے آتما کا لامحدود ہونا عملی طور پر نمایاں ہے وہاں دوسری طرف حدود زندگی سے آگے پیچھے کی حالتیں نہ صرف

عوام الناس کے خیال میں ہی نہیں لائی جا سکتیں۔ بلکہ عملی طور پر بھی کچھ
فائدہ نہیں پہونچاتیں۔ کیونکہ اگر مسئلہ تقدیر پر آدھار رکھنے والے ہر ایک
مصیبت کو قسمت سے وابستہ کر کے کاہلی کی زندگی اختیار کر لیتے ہیں۔ تو
برخلاف ان کی مغربی زندہ دل تدبیر کے قائل ہونیسے کوئی ایسی حالت
نہیں دیکھتے "جس کی خرابی کا علاج نہ ہو اور جس کی خوبی کو لئے
ترقی کیا جا سکے"۔ چنانچہ یہی راز ان کی کامیابی کی تہ میں ہے۔ نیز یہ بھی
امر مسلمہ ہے کہ دیش کے لحاظ سے عملی طور پر آتما کو لا محدود ماننا (یعنے
نوع انسان کی سیوا کرنا) ہی آیندہ زندگی کی بہتری کا سادھن ہے۔
پھر کیا فائدہ ہے۔ کہ خواہ مخواہ "روحیک بھیانک" "بہشت دوزخ کی باتوں"
کی طرف ساری توجہ خرچ کر دی جائے۔ اور "بیچارے موجودہ زندگی"
کیطرف سے بالکل لاپرواہ ہیں۔ ہاں کیا ابھی تک اہل ہند کا دماغ اتنا
ترقی نہیں کر گیا۔ کہ وہ نیکی اور علم کو اسلئے پسند کریں کہ وہ نیکی اور علم
ہے نہ پیارے معترض! یہ بچوں کا کام ہے کہ وہ نیکی اور علم کو انعام
کی ہوس سے عمل میں لائیں۔ اسلئے اگر آواگون اور کرم کی آزادی
کا مسئلہ سچا ہے تو بھی فائدہ اسی میں ہے کہ انسان اپنے تئیں سماج
کے حلقے میں لین کر دے اور اگر نہیں۔ تب تو یہ کہا ہی جا چکا ہے
کہ انسان دراصل سماج کا جزو ہے بہر حال نتیجہ یکساں ہے :۔

نیست غیر از ہستی تو در جہاں موجود ہیچ   خواہ در انکار کوش و خواہ در اقرار کوش

الغرض نہ صرف اس صداقت روحانی کی بدولت موجودہ زمانے میں تو
وہ اقوام حکومت کر رہی ہیں۔ جو کہ سماجک ودیا کے بنیادی اصول یعنے
انسانی "برادرانہ مساوات" کو عمل میں لا رہی ہیں۔ بلکہ جسطرح غلامی
کا زمانہ گذرنے کے بعد موجودہ قسم کی آزادی دیکھنے میں آئی ہے ویسے
ہی یقین کیا جاتا ہے۔ کہ سلسلۂ ارتقا میں اسی صداقت کی بدولت

کا نتیجا وہ پوتر قسم کا "ہیومنیٹیرنزم" ہوگا۔ جو کہ تہذیب و ترقی کے آنے
والے زمانے میں حکومت کریگا۔ یہی "کیریکٹر" ہو بہو وہ نوع انسان کا
معراج اور مقصد اعلےٰ ہے:۔ کلام مصنف:

اگرچہ عالم میں خوب ہی ہو کسی نے مشہور نام پایا — مثل ہمایوں کے سنتے ہی اس نے سکہ جم کے بھی چلایا
لباس از بس نفیس پہنا ہو کھانا از بس لذیذ کھایا — یہ "کامیابی" کا آئین ہے کو نہ کوئی نقشہ نظر ہے آیا

شرافت اس میں نہیں ہے انسان کی اس نے دنیا میں کیا کمایا؟
وہ بزرگی ہے مخفی اس کی کہ اس نے اپنے کو کیا بنایا؟

اصول کی کچھ قدر ہے دل میں نہ معنے انسانیت کے جانے — کہ دو سا نقش درم کا جسکو لگا ہی دیگا کسی ٹھکانے
یہی معبود جسکی بھگتی میں کرتا دن بھر ہے تانے بانے — فضول اسکی نظر میں مست ہے جو اسی کو ہم ہی ہنانے

شرافت اس میں نہیں ہے انسان کی اسنے دنیا میں کیا کمایا؟
وہ بزرگی ہے مخفی اس میں کہ اسنے اپنے کو کیا بنایا؟

ہوا کی آرزو کی خاطر کہیں کو خاطر ہی میں نہ لاوے — حد درجے پہ عاشق ہوا کہ دل دے نہ موتی کی قدر یاد
کرے نہ پروا مغز باو ام چھلکا از بس مزے سے کھاوے — یہی تماشا ہی تن پرستوں کی مجلسوں میں نظر جو آوے

شرافت اس میں نہیں ہے انسان کی اسنے دنیا میں کیا کمایا؟
وہ بزرگی ہے مخفی اس میں کہ اسنے اپنے کو کیا بنایا؟

یہ مانا دنیا میں یہی منزل نہیں ہے جلدی کسی نے پائی — مثل سنی ہے کہ آگے یہاں نہیں تھی رو یا گئی بنائی
مگر ہو معراج جسکا اعلےٰ اسی کی عظمت ہے جانی گائی — بدیر آید درست آید اسی میں جیون کا رس ہے بھائی

شرافت اس میں نہیں ہے انسان کی اسنے دنیا میں کیا کمایا؟
وہ بزرگی ہے مخفی اس میں کہ اسنے اپنے کو کیا بنایا؟

ملی ہے محدود سکو طاقت وہ چاہے جیسے ہی کام لاؤ — کرو خواہ دریا پار بیڑا کسی کا گھر بار خواہ جلاؤ
کسیکے او فضا اعلیٰ لیلو خواہ حسد و غصہ میں دن گنواؤ — پیو خواہ آتم گیان امرت یا بھوگ و شیو میں من لگاؤ

شرافت اس میں نہیں ہے انسان کی اسنے دنیا میں کیا کمایا؟
وہ بزرگی ہے مخفی اس میں کہ اسنے اپنے کو کیا بنایا؟

جمال انسانیت کا جلوہ گر اک شخص جو دیکھا ہو — قبول خیر الامور اکرے وہ شرف وکو بیر شاہ و

مثال سایہ ہماری نا بدل بد کر جو شش دکھا — کھلے حقیقت یہ جس کی دلبر چھپے وہ ان کی نگاہ کو

شرافت اسی میں ہے کہ انسانی اٹھے دنیا میں کیا کمایا؟

یہ زندگی ہے تحقیق اسی کی کہ اٹھے اپنے کو کیا بنایا؟

عمل میں لاؤ انکا شوق دل سے جو نصیحت کا اک حال ہو — جو ہم کو نقش بنیاد عاشق تمہیں کو عزیز بنا لو

ہے جو روشن من کے مسند میں اپنا شوق دینے اسکو دکھاؤ — یہی سچا اصول اپنا ہی کر چلن سادہ اپنا لو

شرافت اسی میں ہے کہ انسانی اٹھے دنیا میں کیا کمایا؟

یہ زندگی ہے تحقیق اسی کی کہ اٹھے اپنے کو کیا بنایا؟